بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 7 شمارہ 12 فروری 2006ء محرم الحرام 1427ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ———— 20/- روپے سالانہ فنڈ ———— 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

توحید کا سرچشمہ۔ آیتُ الکرسی

(سورہ بقرہ کی منتخب آیات کا ترجمہ و تفسیر)

(ڈاکٹر غلام مرتضےٰ)

قرآن مجید کی سب سے اہم آیت یعنی آیت الکرسی سورۂ بقرہ میں ہے۔اس کا ترجمہ غور سے پڑھنے اور اس کا وِرد بار بار کرنے کی ضرورت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَاَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَاتَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَانَوْمٌ ط لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ مَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَایَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَالْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ o

''اللہ تعالیٰ وہ زندہ وجاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے،وہ نہ سوتا ہے نہ اُسے اُونگھ آتی ہے۔زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے' اُسی کا ہے۔کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور جو کچھ اُوجھل ہے' اُس سے بھی واقف ہے اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفت اور اِدراک میں نہیں آسکتی۔سوائے اس کے کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔اُس کی حکومت آسمانوں اور زمینوں پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اُس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔''(البقرہ:255)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو اہم صفات بیان کی گئی ہیں۔پہلی صفت تو ذاتی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسری اَلْحَیُّ الْقُیُوم۔جس کے معنی کچھ یوں ہیں کہ وہ ذات نہ صرف

خود زندہ و جاوید ہے بلکہ زندگی کا منبع و مصدر بھی ہے۔ وہ اپنے طور پر کسی امداد کے بغیر قائم ہے۔ اِس کے لئے اُسے کوئی سہارا درکار نہیں۔ البتہ وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ دنیا میں ہر قائم اِس لئے قائم ہے کہ اَلْقَیُّوْم نے اُسے قائم کیا ہوا ہے۔ یوں ذرا غور کریں تو خلق اور اَمر کی صفات بروئے کار آرہی ہیں کہ پیدا بھی اُسی نے کیا ہے اور زندہ رکھنے کی تدبیر مسلسل بھی وہی کر رہا ہے۔ یہ دونوں صفات اپنی جگہ انتہائی جامع ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اِن دونوں صفات کے مجموعے (**یَاحَیُّ یَاقَیُّوم**) کو اِسم اعظم کہا ہے۔ اِس کے بعد کہا گیا ہے کہ نہ اُس کو نیند آتی ہے اور نہ اُونگھ۔ یعنی وہ ہم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ ہم ہی خطاوار ہیں جو اُس کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہمارے بارے میں تو اُس **جلَّ جلالہٗ** نے یہ کہا کہ جب بھول جاؤ تو پھر اپنے رب کو یاد کر لیا کرو لیکن وہ اپنی مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ اور پھر کہا کہ اُسکی حکومت آسمانوں اور زمینوں پر پھیلی ہوئی ہے اور یہ جملہ تو بہت سخت ہے کہ ''کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور کسی کی سفارش کر سکے؟''

پھر فرمایا کہ علم تو اُسی کا ہے اور اُس کا علم کسی انسان کی گرفت میں نہیں آسکتا مگر اتنا جتنا کہ وہ خود دے دے۔ پوری کائنات کو سنبھالے رکھنا اور اُس کی نگہبانی اُس کے لئے تھکا دینے والا کام نہیں۔ اس آیت کا وِرد کرتے رہیں تو توحید راسخ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا قصہ

آیت آلکرسی کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور بابل کے حکمران نمرود کا قصہ آجاتا ہے۔ نمرود خدائی کا دعوے دار تھا اور اُس نے موت اور زندگی دینے کا دعویٰ کیا اور بطور دلیل یہ کہا کہ جسے چاہوں زندہ رکھوں اور جسے چاہوں سزائے موت دے کے موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اگر سیدنا ابراہیمؑ کوئی مناظرہ باز مقرر ہوتے تو یہاں مورچہ لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے فوراً محاذ بدل لیا اور کہا:

''اگر تم خدائی کے دعوے دار ہو تو میرا خدا سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تم اسے مغرب

سے طلوع کر کے دکھاؤ۔''

یہ سن کر نمرود میدان ہار گیا۔

مُردہ کیسے زندہ ہوگا؟

نمرود کے واقعے کے بعد ایک اور واقعہ ہے کہ سیدنا ابراہیم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایک سوال کیا:

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط

''اے اللہ! مجھے دکھایئے کہ آپ مردوں کو زندہ کیسے کریں گے؟'' (البقرہ 260)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَلَمْ تُؤمِنْ ط

''(تم رسول ہو) کیا ایمان نہیں رکھتے؟'' (البقرہ 260)

حضرت ابراہیم نے کہا کہ ایمان تو رکھتا ہوں لیکن دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

تم ایسا کرو کہ چار پرندوں کو خوب سدھا کر اپنے آپ سے مانوس کرلو۔ پھر اُن کو ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے کر کے مختلف مقامات پر بکھیر دو۔ پھر اُن پرندوں کو پکارو تو دیکھو کہ وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آتے ہیں۔'' (البقرہ 260)

سود کی حرمت

سورۂ بقرہ میں سود کے متعلق بھی واضح حکم آ گیا ہے۔ سود کے بارے میں قرآن پاک کی درج ذیل تین چار آیتیں اس موضوع پر دیئے گئے کئی لیکچروں پر بھاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْآ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط

''جولوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں' اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لئے خوف یا رنج کا مقام نہیں۔ اِس کے برعکس جولوگ سود کھاتے ہیں' اُن کا حال اُس شخص جیسا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اِس حالت میں اُن کے مبتلا ہونے کی وجہ اُن کا یہ کہنا ہے کہ تجارت بھی تو سود ہی جیسی کوئی چیز ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' (البقرہ 284-285)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں سود اور تجارت کا فرق بیان نہیں کیا بلکہ بہت شاہانہ اور حاکمانہ انداز میں سود کو حرام قرار دیا ہے، اگر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سود اور تجارت ایک جیسے ہیں تو شیطان اُن کو اِس گمراہی میں گھسیٹ لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تجارت کو حلال جبکہ سود کو حرام قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اُس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لئے وہ سود خوری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ اس سے قبل کھا چکا' سو کھا چکا' اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ لیکن جو اِس حکم کے بعد بھی اِس حرکت کا اعادہ کرے تو وہ جہنمی ہے۔ اللہ سود کو مسترد کر دیتا ہے اور صدقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اللہ کسی ناشکرے اور بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جولوگ ایمان لائیں' نیک عمل کریں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں' اُن کا اجر بے شک اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لئے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے اب بھی توبہ کرلو اور سود چھوڑ دو تو اپنا سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

(البقرہ 278-279)

سود کی تفصیل ہم انشاء اللہ سورہ آلِ عمران میں ذکر کریں گے۔ سود کی حرمت کے ذکر کے ساتھ ہی قرض لینے کے آداب، احکام، مالی معاملات میں گواہی اور رہن (گروی) کے بارے میں وضاحت کی گئی۔

اختتام

سورۃ کا خاتمہ بہت ہی اہم بات پر کیا گیا۔

(الف) ہر شخص اپنی ذات اور انفرادیت کے ساتھ اللہ کے ہاں جوابدہ ہے اور یہ جوابدہی ایسی ہستی کے روبرو ہوگی جو ظاہر پوشیدہ کا جاننے والا، قادرِ مطلق، مالک و مختار اور سزا جزاء کے سارے اختیارات کا مالک ہے۔

(ب) اسلامی عقائد (اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت پر ایمان) کا خلاصہ

(ج) اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عملی کوتاہیوں پر استغفار کے مقابلے میں نصرت کے حصول کی عاجزانہ دُعا۔

زلزلے کیوں آتے ھیں؟

(مولانا محمد الیاس اظہرالازہری

سنو مدین والے بھی دور پھینک دیئے گئے جسطرح ثمود پھینکے گئے تھے''۔

سورۂ اعراف میں اس واقعے کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

اور مدین والوں کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اُس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے رب کی طرف سے صاف رہنمائی آ گئی ہے، لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو، لوگوں کو اُن کی چیزوں مین گھاٹا نہ دو اور زمیں میں فساد برپا نہ کرو۔ جبکہ اُسکی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو اور (زندگی کے) ہر راستے رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپہ ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جبکہ تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تم کو بہت کر دیا، اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مُفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے؟ اگر تم میں سے ایک گروہ اُس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا، تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اُسکی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، اُس سے کہا کہ'' اے شعیبؑ تجھے اور اُن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا''۔ شعیبؑ نے جواب دیا''۔ کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا خواہ ہم راضی نہ ہوں؟ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر تمہاری ملت میں پلٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے۔ ہمارے لئے تو اُسکی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں الا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اُسی پر ہم نے اعتماد کرلیا، اے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔ اُسکی قوم کے سرداروں نے جو اُسکی

بات ماننے سے انکار کر چکے تھے ،آپس میں کہا۔''اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی قبول کر لی تو برباد ہو جاؤ گے۔

مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندے پڑے کے پڑے رہ گئے۔جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔شعیبؑ کے جھٹلانے والے ہی آخرکار برباد ہو کر رہے۔اور شعیبؑ یہ کہہ کر اُن کی بستیوں سے نکل گئے کہ،''اے برادرانِ قوم،میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔اب میں اس قوم پر کیسے افسوس کروں جو قبولِ حق سے انکار کرتی رہی''۔

ان تین اقوام کی تباہی و بربادی کے حالات پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل فردِ جرم سامنے آتی ہے:۔

۱۔ان تمام اقوام کا توحید باری تعالیٰ پر ایمان نہیں تھا اور وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کچھ جھوٹے خداؤں کو شریک ٹھہراتے تھے۔

۲۔ان میں سے کچھ اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوتے تھے۔جیسے کم تولنا اور رہزنی ڈکیتی وغیرہ۔

۳۔ایک قوم میں بدکاری اور ہم جنس پرستی جیسی قبیح عادت اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ وہ اس سے چھٹکارا پانا کسی نشے سے چھٹکارا پانے کی طرح ناممکن سمجھتے تھے۔

۴۔اپنے وقت کے نبی کا انکار،اُس سے استہزاء اور اپنے آباؤ اجداد کے فرسودہ طریقوں اور رواجوں پر سختی سے عمل پیرا ہونا۔اور یہ وہ جرائم ہیں جن کی پاداش میں اُن پر زلزلے جیسا ہولناک عذاب نازل کیا گیا۔ایسے لوگوں کو تنبیہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

''پھر کیا وہ لوگ جو (دعوتِ پیغمبرؑ کی مخالفت میں) بدتر سے بدتر چالیں چل رہے ہیں اس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ اُن کو زمین میں دھنسا دے،یا ایسے گوشے سے ان پر عذاب لے آئے جدھر سے اُس کے آنے کا اُن کو وہم و گمان تک نہ ہو،یا اچانک چلتے پھرتے

ان کو پکڑ لے، یا ایسی حالت میں انہیں پکڑ لے جبکہ انہیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکنے ہوں۔ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے یہ لوگ اُس کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب ہی نرم خو اور رحیم ہے''۔

(سورۃ النحل آیات ۴۵ تا ۴۷)

آیئے اب اس آئینے میں اُمت مسلمہ کا چہرہ دیکھیں۔ یہ تو ہم سب کو معلوم ہے کہ اُمم سابقہ کے واقعات ہماری تنبیہ اور عبرت کیلئے بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ سابقہ سطور میں بیان ہو چکا ہے اور یہ حقیقت بھی نا قابل انکار ہے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے وہ سب کا خدا ہے اور اپنے بندوں کیلئے کفر وعصیان کو ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا قانونِ مکافات بھی سب کیلئے برابر ہے۔ اگر پہلی اقوام نافرمانی کرنے پر مستوجبِ سزا ٹھری ہیں تو ہم بھی بنی اسرائیل کے باطل دعوے کی طرح کوئی خدا کے رشتہ دار نہیں ہیں بلکہ فارسی کے مشہور مقولے ''خویشاں را بیش بود حیرانی'' کے بموجب ہم پر سختی بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اطاعت کرنے پر اجر بھی زیادہ ملتا ہے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل ارشاد خداوندی کو غور سے پڑھیں اور اس کے اندر چھپے ہوئے پیغام کو بھی سمجھ لینا چاہئے:۔

''کیا ایمان لانے والوں کیلئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اُسکے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں''۔ سورۃ الحدید آیت نمبر ۱۴۔ یہاں ایک حدیث بھی نقل کر دیں تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''تم پہلی اُمتوں کے نقشِ قدم پر بالشت پر بالشت ضرور چلو گے''۔ اب اگر گذشتہ امتوں کے نقشِ قدم پر چلیں گے تو پھر انجام بھی اُن جیسا ہوگا۔ قوم ثمود، قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے جرائم پر نظر ڈالیں تو پہلا جرم شرک ہے کیا درختوں اور پانی کے تالابوں یا چشموں کی پوجا پاٹ اسی طرح قبروں پر سجدے اور چڑھاوے جنوں بھوتوں اور فرشتوں سے نام نہاد تعویزوں کے ذریعے مدد مانگنا شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسرا جرم رہزنی اور ڈکیتی ہے جو قوم شعیب

کا مشغلہ تھا کہ کیا آج مُسلم معاشروں میں یہ جرم نہیں ہوتا؟ تیسرا جرم کم تولنا اور کم ناپنا تھا تو آج
کتنے دوکاندار اور تاجر ایسے ہیں جو کم نہیں تولتے یا ملاوٹ نہیں کرتے۔ چوتھا خطرناک اور غلیظ گناہ
بدکاری اور اغلام بازی یا ہم جنس پرستی ہے یہ ایسا گناہ ہے جو ہمارے معاشروں میں وبا کی طرح
پھیل رہا ہے بلکہ تحدید آبادی یا خاندانی منصوبہ بندی کی آڑ میں کنڈوم اور مانع حمل ذرائع کے
ساتھ ساتھ امریکی لٹریچر اور فلموں کے ذریعے باقاعدہ سکھائی جاتی ہے۔ اسی کا خمیازہ یورپ و
افریقہ ''ایڈز'' جیسی موذی مرض کی شکل میں بھگت رہے ہیں اور اب مسلم معاشروں میں پھیلائی
جا رہی ہے اگر پہلی اُمتوں پر ان کی پاداش میں زلزلے آئے تھے تو ہمارے اوپر آنے والے
زلزلے کو شامت اعمال کہنے یا سمجھنے میں کیا مانع ہے؟

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو خدا کے محبوب کی امت میں اُن کی دعاؤں کی برکت سے ہم
سے خسف و مسخ کا عذاب اٹھالیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سچ ہے۔ لیکن اس سے مراد
ایسا کلی عذاب ہے جو پہلی امتوں پر آتا تھا اور پوری قوم ختم ہو جاتی تھی۔ ورنہ تو جزوی سزا یا
عبرت سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن پاک کی سورۂ آل عمران آیت نمبر ۸۶ میں ارشادِ
خداوندی ہے:۔

کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پالینے کے بعد پھر کفر
اختیار کیا حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول ﷺ حق پر ہیں اور اُن کے
پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں۔ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

اس اُمت مسلمہ کیلئے زلزلوں کے علاوہ فرقہ بندی، باہمی نفاق اور رنگ و نسل یا علاقہ پرستی اور
صوبائی و لسانی تعصّبات وغیرہ بھی عذاب الٰہی کی صورت ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے قدموں کے
نیچے سے برپا کردے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا

مزہ چکھوا دے''۔

آج پوری اُمت بے عملی کا شکار ہے غیر اقوام ہمارے اوپر سوار ہیں اور مسلمانوں کو بکریوں کی طرح ہانک اور ذبح کر رہی ہیں۔ ہمارے اُمراء بخیل اور مانعین زکوۃ ہیں۔ حکام عیش پسند اور علماء حق گوئی سے دور ہیں۔ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کی مثال دے کر ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے اُن کو نجات مل گئی خاموش تماشائیوں اور مجرموں کو اکھٹے سزا دے کر ذلیل بندر بنا دیا گیا۔ قرآن پاک میں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے:۔

''اور بچو اُس فتنے (عذاب) سے جسکی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہنگی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے''۔

اس سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گناہگار سوسائٹی میں رہنا گوارا کرتے رہے ہوں۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ جب تک کسی شہر میں گندگیاں کہیں کہیں انفرادی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں اُن کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہے۔ لیکن جب وہاں گندگی عام ہو جاتی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا جو اس خرابی کو روکنے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر ہوا اور زمین اور پانی ہر چیز میں نسیمیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو وبا آتی ہے اُسکی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے اور گندے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آ جاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود ہیں اور صالح سوسائٹی کے رُعب سے دبی رہیں تو اُن کے نقصانات محدود رہتے ہیں۔ لیکن جب سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی، جب اُس کے درمیان بُرے اور بے حیا اور بد اخلاق لوگ اپنے نفس کی گندگیوں کو اعلانیہ اچھالنے اور پھیلانے

لگتے ہیں اور جب اچھے لوگ بے عملی اختیار کر کے اپنی انفرادی اچھائی پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت وصامت ہو جاتے ہیں تو مجموعی طور پر ساری سوسائٹی کی شامت آ جاتی ہے اور وہ فتنہ عام برپا ہوتا ہے جس میں گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا منشا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس اصلاح وہدایت کے کام کیلئے اُٹھے ہیں اور تمہیں جس خدمت میں ہاتھ بٹانے کیلئے بُلا رہے ہیں اسی میں درحقیقت شخصی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے تمہارے لئے زندگی ہے۔ اگر اس میں سچے دل سے مخلصانہ حصہ نہ لو گے اور اُن برائیوں کو جو معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں برداشت کرتے رہو گے تو وہ فتنہ عام برپا ہوگا۔ جسکی آفت سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی خواہ بہت سے افراد تمہارے درمیان ایسے موجود ہوں جو عملاً برائی کرنے اور برائی پھیلانے کے ذمہ دار نہ ہوں بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں بھلائی ہی لئے ہوئے ہوں یہ وہی بات ہے جس کو سورۂ اعراف کی آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶ میں اصحاب السبت (بنی اسرائیل) کی تاریخی مثال پیش کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی نقطہءِ نظر کے تناظر میں موجودہ زلزلے سے معصوم بچوں، بے گناہ جانوروں اور صالحین، مومنین کے جاں بحق ہو جانے، مسجدوں، مدرسوں اور شہداء کی قبروں کے انہدام اور دینی کتب بشمول قرآن پاک کے سینکڑوں نسخوں کے زمین میں دفن ہو جانے کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پورے ملک کی اکثریتی سوسائٹی کو دیکھنا ہے، ہمارا ٹی وی، ریڈیو، اخبارات و جرائد، سینما اور تمام پرنٹ یا الیکٹرونک میڈیا جس طرف قوم کو لے جا رہے ہیں سب کے سامنے ہے۔ ہمارے ہوٹلوں، کلبوں، پارکوں، سیاحتی مراکز، ریسٹ ہاؤسوں میں جو غلاظت اور گندگی بھری ہوئی ہے اُس سے کون واقف نہیں، گلی گلی جوئے، منشیات اور فحاشی کے اڈے چل رہے ہیں اور رہی سہی کسر کیبل نیٹ ورک اور گندی سی ڈیز نے نکال دی ہے۔ اب بتائیں زلزلے اور اولے نہ آئیں گے تو کیا رحمت کی بارش ہوگی۔ "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ است"۔ ماہِ رمضان المبارک کے پہلے عشرے کے شروع میں زلزلہ آنے سے قبل ہمارے میڈیا کی جو شکل تھی وہ زلزلہ آتے ہی بدل گئی۔ کیا اس حقیقت سے پہلے یہ نہیں ہوسکتا تھا؟

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِى الْاَبْصَارِ آیئے رب آقائے دوجہاں کی چند احادیث کی روشنی سے اپنے قلب ونظر کو منور کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

۱۔ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے
ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھو اللہ سے ڈر ایسا نہ کر لیکن ا
کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں و
برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں
قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے۔ ان کی نحوست
فرمانبرداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دیئے) پھر ان کی تائید میں قرآن پاک کی مندرجہ
آیات پڑھیں۔ ''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اُن پر داؤد ؑ اور
ابن مریم ؑ کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے
انہوں نے ایک دوسرے کو بُرے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ بُرا طرز عمل
اُنہوں نے اختیار کیا۔ آج تم اُن میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو (اہل ایمان کے مقا
میں) کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں۔ یقیناً بہت بُرا انجام ہے جس کی تیاری اُن کے نف
نے اُن کیلئے کی ہے اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں
(المائدہ آیات ۷۸ تا ۸۰

(مذکورہ بالا حدیث شریف ابوداؤد اور ترمذی میں ہے)

۲۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ محمد ر
اللہ) اپنے کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اُس سے بلا و عذاب کو دفع کرتا ہے جب تک کہ
کے حقوق سے بے پرواہی اور اِستِخفَاف نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ اس
حقوق سے بے پرواہی اور اِستِخفَاف کیے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ار
فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جائیں اور اُن کو بند کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جا۔
(یہ حدیث الترغیب والترھیب میں مذکور ہے)

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ گھر پر تشریف لائے تو میں
آپ کے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہو گی حضور ﷺ نے
سے کوئی بات نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں چلے گئے۔ میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کیا

کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضورﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا ''لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت آجائے کہ تم دُعا مانگو اور قبول نہ ہو تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مُجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ یہ کلمات طیبات ارشاد فرما کر آپﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

(یہ حدیث شریف ابن ماجہ اور ابن حبان نے بیان کی ہے)

۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورﷺ نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی محبت اور وقعت اُس کے دل سے نکل جائے گی۔ اور جب میری اُمت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائیگی۔ اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جائیگی''۔ (یہ حدیث حکیم ترمذی نے بیان کی ہے۔

اب ایک اشکال کا ازالہ بھی کر دینا ضروری ہے۔ ہمارے کچھ دوست کہتے ہیں کہ یہ گناہ اور جرائم تو پوری دنیا میں ہوتے ہیں خصوصاً امریکہ اور یورپ تو ان میں غرق ہیں تو پھر اسکی زد میں صرف مسلمان ہی کیوں آتے ہیں؟

بقول شاعر

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ (فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ) یعنی ان پر تیرے رب نے عذاب کا کوڑا برسایا۔ جسطرح پہلی امتوں کو انکے جرائم کی پاداش میں تباہ و برباد کیا اس طرح آج بھی اس قانون پر عمل ہو رہا ہے۔

پہلی اور دوسری عالمی جنگیں، طاعون اور ہیضے کی بیماریاں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملہ ''ایڈز'' جیسی مہلک اور گندی بیماری، سونامی، قطرینا، ریٹا اور بیٹا جیسے طوفان اور اُسکے علاوہ دیگر بے شمار تباہیاں اور بربادیاں، مسلمانوں پر تو نہیں آئیں بات صرف محسوس کرنے کی ہے۔ مسلمان

بہت جلد محسوس کر کے اللہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ جبکہ کافر اسے ایک مادی یا نیچرل عمل سمجھ کر
احتیاطی تدابیر میں لگ جاتا ہے۔
اب بھی وقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
وَتُوبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔
اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے (النور ۳۱)

بکیں درد بہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(وماعلینا الا البلاغ)

ضروری اطلاع

تمام برادران کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا

سالانہ اِجتماع

15,14 اور 16 اپریل 2006ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

منعقد ہو رہا ہے۔ اِس دفعہ دعوت نامے ارسال نہیں کیے جائیں گے۔ ترتیب پروگرام وہی ہوگا جو سابقہ اجتماعات میں چلی آ رہی ہے۔ اِس لئے اِسی اطلاع کا حتمی سمجھا جائے اور اِس کو دعوت نامہ تصور کیا جائے۔

تمام برادران سے گذارش ہے کہ مجلّہ فنڈ برائے سال 2006ء مبلغ 200/ مرکز تعمیر ملت ارسال کر دیں یا اپنے خادم حلقہ کے ذریعے ارسال کر دیں۔ (ادارہ)

ایمان اور عمل

سید حمید اللہ شاہ بخاری (توحیدی)

ایمان یعنی یقین کرنا یہ لفظ امن سے ماخوذ ہے مقصد میں کامیابی کیلئے کسی ایسے ذریعے پر یقین رکھنا پڑتا ہے جو انسان کے ہر ارادے کی تکمیل کی بنیاد ہے۔ گویا ایمان انسان کے ہر عمل کی بنیاد ہے پس اس کو انسان کیلئے اولین فرض قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی فلاح و بہبود کیلئے اقدام کر سکے۔

ایمان و یقین کا تعلق قلب یعنی دل سے ہے کہ دل میں جو خیالات وعقائد جگہ کر لیتے ہیں اور مستحکم ہو جاتے ہیں انہی کو یقین کہا جاتا ہے، لہٰذا انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ قلب کو ایسے خیالات کا خزینہ بنائے جو اس کے ارادوں کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کا واقعی ذریعہ بن سکے اور ایسے خیالات سے پاک وصاف رکھے جو اس کی ناکامی ونامرادی یا ذلت وخواری کا سبب ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قلب کی پاکیزگی ہی کو ذریعہ کامیابی وکامرانی قرار دیا ہے۔

فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس آیت نمبر ۹ تا ۱۰)

ترجمہ: بے شک کامیاب ہو (وہ) جس نے اس (دل) کو پاک کر لیا اور تحقیق ناکام ہوا (وہ) جس نے اس (دل) کو گندگی سے آلودہ کر لیا۔

نیز (الاعلیٰ ۱۴ میں) فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى

ترجمہ: بے شک کامیاب ہوا (وہ) جس نے (دل) کو پاک کر لیا۔

اور دلوں کو پاک کرنے والے آقا ﷺ فرماتے ہیں

اَلَا وَاِنَّ فِى الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِىَ الْقَلْبُ اَلَا وَهِىَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ: خبردار اور بے شک انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو ٹھیک ہو گیا تو تمام بدن ٹھیک ہو گیا اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔ سنو! وہ دل ہے سنو! وہ دل ہے سنو!

وہ دل ہے۔

انسان کے لئے از خود دشوار ہی نہیں بلکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ ایسے اسباب وذرائع اور سہارو
کا انتخاب کرے اور ان پر یقین کرے جو اس کو کامیابی و کامرانی کی منزل تک پہنچائیں۔ یہ
بغیر کسی رہبر و رہنما کے ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح جیسے ایک بچہ زندگی بسر کرنے کے طریقے ا
ماں باپ یا استاد کے بغیر نہیں سیکھ سکتا یا کوئی نابینا اپنی منزل و راستے پر بغیر رہنما کے نہیں پ
سکتا اسی طرح کوئی انسان فلاح و بہبود کی منزل حاصل کرنے کیلئے یقینی اسباب ووسائل کا انتخا
نہیں کر سکتا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے اس کیلئے تم
لوازمات زندگی بھی مہیا فرمائے لیکن اللہ کی نعمت سے انسان اس وقت تک صحیح استفادہ نہ
کر سکتا جب تک اس کے پاس یقین و ایمان کی دولت نہ ہو۔ اور یہ دولت بھی دوسری نعمتوں
طرح اللہ کے فضل و کرم سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اللہ عزوجل نے انسان کی یہ ا
ترین ضرورت پوری کرنے کیلئے اپنے انبیاء کرام، رسل عظام کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا۔
بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم و تربیت حاصل کر کے ہر اعتبار سے عام انسانوں سے افضل و مم
ہوتے ہیں۔ اور وہ ایمان لانے اور یقین کرنے والی ایسی باتیں بتاتے ہیں جن سے انسا
با آسانی اپنے ارادوں کی تکمیل اور مقاصد حاصل کرتا ہے۔ ان کو رہبر و رہنما تسلیم کر لینے وا
انسان انسانیت کی اقدار و عزت و عظمت کو پا لیتے ہیں۔ اور اشرف المخلوقات کے بلند مرتبہ پر فا
ہوتے ہیں اسی لئے ایمان کی شرعی اعتبار سے مکمل تعریف یہ ہے۔

قرآن: **هُوَالتَّصْدِيْقُ بِمَاجَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى اَىْ تَصْدِيْقُ الَّتِى بِالْقَلْبِ فِى جِمْيْعِ مَا عَلِّمَهُ بِالْضَّرُوْرَةِ بِالضَّرُوْرَةِ مَجِيْئَةَ بِهِ مِنْ عِنْدَاللّٰه اَمالاً۔**

ترجمہ: ایمان ان امور کی تصدیق کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے آئے یعنی اجمالی طور پر د
سے نبی مکرمؐ کی تصدیق کرنا ہر اس چیز میں جو آپ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے جس کا ثبوت آپ

قطعی طور پر ہو۔

گویا ایمان کا اولین مرحلہ نبی علیہ السلام کی تصدیق ہے ایمان کا داعی اول سوا ان کے کوئی نہیں ہو باللہ کی صدا بلند کرنیوالا نبی کے علاوہ کون ہے؟ پس ایمان نبی سے ملتا ہے۔ شاعر

رق نے کیا خوب فرمایا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست

اگر باونارسیدی تمام بولہبی است

ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ جس نے حضور علیہ السلام کے لائے ہوئے تمام امور کی تصدیق کر دی مومن ہو گیا اور جس نے دل سے نہ مانا وہ مومن نہیں۔ طبقہ منافقین کی بنیاد یہی کیفیت ہے کہ ن سے تو ایمان کا اعلان کرتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں بھی شریک ہوتے ہیں ن دل سے ایمان نہیں لاتے جس کا حال اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس نے اپنے حبیب علیہ لوٰۃ والسلام کو بھی اس کا علم دیا منافقین کے نام تک بتا دیئے تا کہ مسلمان ان کی سازشوں سے فوظ رہیں اب اگرچہ عملی طور پر منافق موجود ہیں لیکن ہم کسی کو شرعاً منافق نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم ی کے دل کا حال نہیں جان سکتے۔ پس ہر کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہی ہے بشرطیکہ اس کی زبان ل سے کوئی کفریہ بات یا کام ظاہر و ثابت نہ ہو۔

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں

اَلْاِیْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَمَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ۔

ایمان زبان سے اقرار اور دل سے پختہ یقین کرنے کو کہتے ہیں۔

اگرچہ ایمان کا تعلق دل سے ہے لیکن اس کے ثابت کرنے کیلئے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے ایمان تمام ضروریات دین کی تصدیق کا نام ہے اور کسی ایک چیز کے انکار سے کم یا ناقص نہیں۔ لہ رخصت ہو جاتا ہے۔ بہر حال ایمان پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔

ایمان کی اہمیت

ایمان جسم ہے۔اعمال زیور ہیں۔زیور سے جسم کا حسن بڑھتا ہے اعمال سے ایمان کا حـ
چمکتا ہے جسم نہیں تو زیور بیکار۔ایمان بیج ہے۔اعمال درخت پتے پھل ہیں۔زمین میں بیج
ہے تو درخت پتوں پھلوں کا فائدہ نصیب ہوتا ہے۔بیج ہی نہیں تو درخت نہ پتے نہ پھل اور نہ
ان کا فائدہ۔ایمان نور ہے۔اعمال سواری ہیں۔جب انسان اعمال پر سوار ہو کر ایمان کے نور م
چلتا ہے تو راہ منزل نظر آتی ہے کہ ہر سواری کے ساتھ نور لازمی ہوتا ہے تاریک راستوں میں بغ
نور کے ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔اعمال کی سواری کتنی ہی مضبوط اور تیز رفتار کیوں نہ ہو
ایمان کے نور کے بغیر منزل مقصود کی سمت بھی نہیں پا سکتی۔پس ایسے لوگ جو ضروریات د
میں سے کسی ایک چیز کا انکار کر کے ایمان سے محروم ہو چکے۔جتنے ہی اعمال کریں بظاہر جتنے
متقی نظر آئیں کتنا ہی مقدس لبادہ پہن لیں ان کے تمام اعمال راکھ ہیں۔کتنا بڑا خسارہ ـ
اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اسلئے کہا جاتا ہے کہ ایمان بڑی دولت ہے جس کی حفاظت ہر عزیز ترین چیز سے زیادہ عز
ہونی چاہیے۔اس کی حفاظت بھی بڑی ضروری ہے کہ ہماری دوسری چیزوں کے ڈاکو لٹیرے
جیسے انسان ہی ہوتے ہیں جن کا ہم مقابلہ کر لیتے ہیں۔ان سے اپنی عزت و آبرو مال و دولت
بچانے کی کامیاب تدبیریں ہمارے پاس ہوتی ہیں ہم حفاظت کر لیتے ہیں۔لیکن ایمان کا دشمن بڑ
ہی طاقتور بڑا ہی مکار اور چال باز ہے جو سامنے سے کامیاب نہیں تو پیچھے سے حملہ کرتا ہے ظاہ
میں کامیاب نہیں ہوتا تو باطن کو قابو میں کرتا ہے۔اسے برائی کو اچھائی بنانے بے دینی کو دین
بنانے حرام کو حلال بنانے کا فن خوب آتا ہے۔یہ رسول ﷺ کی اہانت کو توحید کی عظمت بنا دیتا ہے
یہ دشمن سنت کے انکار کو قرآن پر مکمل ایمان قرار دیتا ہے۔حُب اہلبیت علیہم الرضوان کی آڑ
میں بغض صحابہ علیہم الرضوان کا بیج بوتا ہے اور خلفائے ثلاثہ کی تنقیص پر اکساتا ہے۔آئمہ مجتہدین
رحمۃ اللہ کی تقلید کو اللہ عزوجل و رسول علیہ السلام کی اطاعت سے بغاوت کا اعتقاد پیدا کرتا ہے علماء

صوفیاء، اولیا اور صالحین کی تنقیص اور ان سے متنفر کرنیکی کوششوں کو دین کی عظیم خدمت یقین دلاتا ہے۔ اعمال کردار کو برباد کرنا اس کا شیوہ ہے عریانیت و فحاشی میں مبتلا کر دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے بدتہذیبی و بد اخلاقی اس کے نزدیک فیشن ہے جدت پسندی (ماڈرن ازم) کا بھوت سوار کر دینا اس کا آلہ تباہی و بربادی ہے۔ بڑا ہی ظالم ہے کھلا دشمن ہے اس سے مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں اس سے بچنے کیلئے کسی ایسے مرد کامل کے دامن میں پناہ لینی پڑتی ہے جس نے علم و عمل کے ذریعہ ریاض و مجاہدے کے ذریعے احکام شرح کی مکمل پابندی کے ذریعے بارگاہ قدس میں قرب خاص حاصل کرلیا ہو۔ مقربین میں اس کا شمار ہونے لگا ہو ہر قسم کے خوف و حزن سے آزاد ہو چکا ہے۔ وہ ایسا مستجاب الدعوات ہو کہ مانگنے سے پہلے اس کو ملتا ہے۔ نامرادوں کو بامراد کر دیتا ہو۔ بھکاریوں کی جھولیاں بھر دیتا ہو اسی کے دامن سے وابستہ ہو کر دولت ایمان کی حفاظت ممکن ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے اور بقول حضرت بایزید بسطامیؒ ۔

مَنْ لَاشَیْخَ لَہ فَشَیْخُہ' الشَّیْطَانُ

جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہو جاتا ہے۔

دشمن شیخ بن جائے تو سوچ لیجئے انجام کیا ہوگا ساری دولت لٹ جائے گی راکھ ہو کر اڑ جائے گی سراب کے سوا کچھ نہ رہے گا اور بندہ پیاسا تڑپتا رہے گا ایمان نور ہے شمع ہے چراغ ہے اس کا تیل عمل صالح ہیں۔ جتنے اعمال صالح زیادہ ہوتے ہیں اتنی ہی ایمان کی روشنی زیادہ ہوتی ہے ایمان درخت کی مانند ہے۔ ہمارے آقا علیہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کی ۷۲ یا اس بھی زیادہ شاخیں ہیں۔ ۷۲ یا زائد شاخیں وہ اعمال ہیں جن کی قرآن میں بار بار تاکید کی اور صاحب قرآن علیہ السلام نے ان کی وضاحت فرمائی اور عملی تعلیم بھی دی۔ جن کا خلاصہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع ہے۔ جن کے بغیر مومن ایسا ہے جیسے بے شاخوں درخت اس پر نہ پھل آتے ہیں نہ اس کا سایہ ہوتا ہے اس کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کی قدر و منزلت ہی باقی نہیں رہتی۔

حلاوت ایمان

ایمان اپنے اندر ایک لذت رکھتا ہے، مزہ رکھتا ہے۔ جو میٹھا ہوتا ہے بہت ہی خوش ذائ
ہے۔لیکن اس کا پتہ تب ہی چلتا ہے جو مومن مسلم بنے اللہ عزوجل اس کے رسول ﷺ کا مطی
فرمانبردار بن کر اسلام کے جملہ احکام کی تعمیل کرے۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص میں تین بات
ہیں وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

اللہ عزوجل اور اس کا رسول ﷺ اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ جس شخص سے محب
کرے صرف اللہ عزوجل ہی کیلئے کرے۔ کفر سے چھٹکارا پا لینے کے بعد دوبارہ کفر میں لوٹنا
آگ میں ڈالے جانے سے زیادہ ناپسند ہو ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کا اندازہ کرنا ہو تو صحابہ علیہ
الرضوان کی زندگیوں کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ حضرت بلالؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عمارؓ ا
دیگر صحابہ کرامؓ نے اپنے آقاؤں اور سرداروں کے کیسے کیسے مظالم جھیلے لیکن ظلم و ستم کی تلخی ان
ایمان کی شیرینی کو رتی برابر متاثر نہ کر سکی۔ یہ حلاوت ایمان کا اثر تھا کہ یہ نفوس قدسیہ فاتے کر
خون کی ندیاں بہا کر اسلام کی حفاظت میں کامیاب ہوئے انہیں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے ک
آج ہم اسلام کے وارث ہیں اور انہیں کے نقش قدم پر چل کر ہم اپنی آئندہ نسل کو اسلام کا وار
بنا سکتے ہیں۔ حلاوتِ ایمان ہو تو میابی و کامرانی مومن کا مقدر ہے کہ وعدہ الٰہی عزوجل ہے۔

وَ لَا تَهِنُوا وَ لَا تَحْزَنُوا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: اور سستی نہ کرو اور تم ہی غالب ہی رہو گے اگر کامل (مومن) ہو

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب علیہ صلوٰۃ والسلام کے طفیل صراط مستقیم پر استقامت عطا فرما
ایمان بالعافیت عطاء فرمائے اور تمام زندگی قرآن و سنت کے مطابق گزارنے کی توفیق ع
فرمائے۔ آمین!

قرآن اور تمثیلات

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

نعمائے جنت کی تمثیل۔

جنت کی نعمتوں کو ایک مثال سے یوں واضح فرمایا ہے:۔

مثل الجنة التی وعد المتقون ط فیھآ انھٰر من ماء غیر اٰسن وانھٰر من لبن لم یتغیر طعمه ج وانھٰر من خمر لذة للشّٰربین ج وانھٰر من عسل مصفیً ط ولھم فیھا من کل الثمرٰت وّ مغفرة من ربھم ط (۱۵:۴۷)

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اس کی مثال یوں ہے کہ اس میں بوسیدہ نہ ہونے والے پانی کی نہریں ہیں۔ اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلتا۔ اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کو مزہ دے۔ اور شفاف شہد کی نہریں بھی ہیں۔ اور اس میں ان کے لئے ہر قسم کے پھل اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت......

یہی مضمون اختصار کے ساتھ دوسری جگہ یوں ہے:

مثل الجنة التی وعد المتقون ط تجری من تحتھا الانھٰرُ اکلھا دائمٌ' وظلھا..... (۳۵:۱۳)

جس بہشت کا وعدہ اہل تقویٰ سے کیا گیا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ اس کے ماکولات اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ تمثیل بڑی معنی خیز اور بڑی بنیادی حقیقت کی حامل ہے۔ جنت کا جو مادی نقشہ عام طور پر ذہنوں میں ہوتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو ہمیں اس دنیا میں نظر آتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں بہت صحیح وارد ہوا ہے کہ بہشت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ **لَا عَین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر**'' نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے حیطۂ ادراک میں آسکیں۔ اس

کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہاں کی نعمتوں کی کیفیت اس قیاس سے کہیں بالاتر ہے جو یہاں آنکھوں اور کانوں کی راہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔قرآن نے جنت کی تمام نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ حورو قلمان۔محلات وقصور، باغ و بہار، روانی انہار، شادابی اشجار، لولومرجان، تکیہ وقالین، ساغر ومینا، جام لبریز وغیرہ۔لیکن ان کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ان کی کیفیت اعلیٰ پیمانے پر وہی ہوگی جو یہاں کی زندگی میں ہوتی ہے۔ہم اس کی کیفیت کی نوعیت کی تعیین تو نہیں کر سکتے لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں جہانوں کی کیفیت کی نوعیتیں بالکل جداگانہ ہیں اور نعمائے جنت کا جو کچھ قرآن مجید نے ذکر کیا ہے وہ صرف ایک تمثیل ہے۔اسی حقیقت کو قرآن کریم نے یہ کہہ کر واضح کیا ہے کہ **مثل الجنة التی وعد المتقون..... الخ**

جس بہشت و باغ کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ..... **الخ**۔مطلب یہ ہے کہ جن نعمائے بہشت کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ایک تمثیلی کیفیت کا بیان ہے۔اس کو بالکل ویسا ہی نہ سمجھ لینا جیسا دُنیا کی نعمتوں کو سمجھتے ہو۔جس طرح رحم کے اندر بچہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس شکم سے باہر ایک اورلاانتہا وسیع دنیا بھی ہے۔جس میں شمس وقمر چمک رہے ہیں۔پرندے چہک رہے ہیں۔ستارے اور برقی قمقمے جگمگا رہے ہیں،طیارے اُڑ رہے ہیں،ریڈیو بج رہے ہیں۔انواع واقسام کے سامان خوردنوش موجود ہیں حواس خمسہ کیلئے بے شمار سامان تفریح ہیں،وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح دنیائے تنگ میں زندگی گزارنے والے اُس عالم کی رنگینوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ان کا کوئی بہت دھندلا سا تصور آسکتا ہے تو انہیں چیزوں کی تمثیل سے آسکتا ہے جو یہاں اس عالم میں ہمارے حواس کی گرفت میں آتے رہتے ہیں۔اس عالم میں ہمارا خیال ہے کہ یقینی طور پر ورک ہونے والے مجردات کا ذکر بھی بغیر محسوسات کی تمثیل کے نہیں کر سکتے۔ہم کہتے ہیں''اونچے خیالات، گہرا غور وفکر، وسیع تصورات''لیکن وہاں نہ کوئی اونچا پہاڑ ہوتا ہے نہ گہرا کنواں اور نہ وسیع میدان ہم بولتے ہیں''افکار کی پرواز'' حالانکہ وہاں کوئی پر نہیں ہوتے۔یہ سب مجردات ہیں لیکن ان کے اظہار کے لئے ہم وہی ناقص الفاظ لاتے

ہیں جو محسوسات کے لئے ہوتے ہیں

ہر چندہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

مولانا رومی نے خود ہی ایک مثال دی ہے کہ اگر تم ایک بچے کو "لذت جماع" کا مفہوم سمجھانا ہو چاہو تو یہی کہو گے کہ حلوہ یا مٹھائی کھانے میں تمہیں جیسا لطف آتا ہے اس سے بھی کہیں زیادہ مزہ اس میں ہے۔ بچہ پھر بھی حقیقت نہیں سمجھ سکے گا۔ کیونکہ اس کیفیت کی عکاسی کیلئے کوئی لفظ موجود نہیں۔ جب وہ بالغ ہوگا تو کسی لفظ کے بغیر ہی ساری کیفیتوں کو سمجھ لے گا۔ بالکل یہی حال نعمائے جنت کا ہے۔ اسے سمجھانے کے لئے وہی الفاظ لانے پڑیں گے جو روزمرہ کے محسوسات کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ فی الواقع اس کی کیفیت وہی ہوگی جو یہاں ہوتی ہے۔ اسی تشبیہہ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن نے اس حقیقت کی پردہ کشائی کی ہے کہ جو نعمائے جنت مذکور ہوئے ہیں وہ ایک تمثیل ہے اس کیفیت کے لئے جس میں مسرت، اطمینان، امن دوام وغیرہ کی ساری خوبیاں یکجا ہیں۔

نور خداوندی کی مثال

قرآن مجید کی سب سے زیادہ عجیب تمثیل وہ ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے نور اور اعمال کافرین کے لئے اختیار فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

ترجمہ۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں ایک چراغ ہے۔ چراغ ایک شیشے میں ہے۔ شیشہ گویا ایک چمکتا ہوا تارہ ہے جو ایک بابرکت زیتون کے درخت سے روشن ہو رہا ہے جو نہ شرقی نہ غربی۔ تیل خود ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے چھوئے بغیر ہی اب روشن ہو چلا اللہ تعالیٰ اپنے نور کی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے کو جاننے والا ہے۔ پھر یہ نور بھی ان گھروں میں ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم واذن دیا ہے کہ وہ بلند کئے جائیں اور ان

میں اسی کا ذکر کیا جائے ان میں صبح و شام ایسے لوگ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جن کو ذکر
سے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے ذکوٰۃ سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت وہ اُس
دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی تا کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں ان
کردار کا بہترین بدلہ دے اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا بے حساب دیتا ہے۔ اور جو کافر ہیں اُن کے
اس چٹیل میدان کے سراب کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب اُس
پاس آتا ہے تو اُسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے تو وہ اُسے پورا پورا اس کا حسا
چکا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا گہرے سمندر میں تاریکیاں جس کے
ایک لہر چڑھی آ رہی ہے اور اس کے اوپر ایک لہر ہے۔ اور اس کے اوپر بادل ہیں تاریکیاں ہیں
ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں۔ جب وہ ہاتھ نکالتا ہے تو اُسے دیکھ نہیں پاتا اور جسے اللہ تعا
روشنی نہ دے اُسکے لئے کہیں کوئی روشنی نہیں۔ (40:35)

ان آیات میں کئی تمثیلات ہیں۔ پہلی مثال اللہ کے نور کی ہے۔ مثال سے پہلے یہ حقیقت
بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ جو چیزیں آپ کو ٹھوس نظر آتی ہیں
درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ وہ سب مجموعہ ہیں جواہر فردہ کا اور جوہر فرد خود کیا ہے؟ صرف
لہریں ہیں۔ محض ایک عمل یا ایک حرکت ہے جسے ارادۂ الٰہی وجود میں لایا ہے۔ روشنی دو طرح
ہوتی ہے ایک وہ جو آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ اور دوسری وہ جو عقل سے تعلق رکھتی ہے اور د
دماغ کو روشن کرتی ہے۔ ان دونوں کا مصدر خدا تعالیٰ کا نور ہے۔ نورِ الٰہی ایک لطیف مجرد شے
اس کی تشبیہہ بہر حال محسوسات سے ہی دی جا سکتی ہے۔ اس لئے اِسے ایک ایسے چراغ
تشبیہہ دی ہے جو طاق میں رکھا ہوا ہو اور ایک صاف شفاف اور ستارے کی طرح چمکتے جگمگا
شیشے میں ہو۔ اس کا روغن بابرکت درخت سے لیا گیا ہو۔ درخت بھی ایسا جو شرقی ہے نہ غربی
روغن خود اتنا شفاف کہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ دکھائے بغیر ہی روشن ہوا چاہتا ہے۔
دیکھئے روشنی کا کیا نقشہ کھینچا ہے۔ تیل روشن۔ اور پھر چراغ روشن۔ نورٌ علیٰ نور۔ پھر د

روشنی کی کوئی جہت ۔ کوئی سمت اور کوئی مخصوص رُخ نہیں ہوتا۔ وہ ہر طرف یکساں اجالا دیتی ہے
لیکن کمال یہ ہے کہ یہ نور بھی عام روشنی کی طرح شش جہت نہیں ۔ اس کا تو وہ درخت بھی لاشرق و
لاغرب اور بے جہت ہو اس کا تیل پھر تیل سے نکلنے والی روشنی ۔ اللہ اللہ اس کی بے جہتی اور ہمہ
گوئی کا کیا پوچھنا پھر وہ خدا تعالیٰ جس کی پیدا کی ہوئی روشنی ہمہ جہت ہے خود کتنا بے جہت ہو
گا۔ یقیناً وہ خاص قوم کا خدا نہیں ۔ وہ ہمہ جہت ہے اور ساری کائنات کا یکساں خدا ہے۔

ان کے اوپر کچھ مزید تنزیہات ہیں ۔ ان پر غور کیجئے کہ وہ طاق جس میں یہ چراغ بے جہت
ہے ایسے گھر میں ہے ایسے خانہء خدا میں ہے جس کے بارے میں اس کا حکم ہے کہ اسے ہر قید سے
بلند رکھا جائے ۔ اور اس میں اُسی کا نام بلند ہو۔ پھر مزید تنزیہہ یہ کہ اس میں کچھ مردان خدا اُس کی
تسبیح کرتے ہیں۔ تسبیح کے معانی ہیں۔

اے برتراز خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدم و خواندہ ایم

ہر قید سے آزاد، ہر بالا سے بالاتر ، ہر پہنچ سے اوپر، ہر فہم و عقل سے باہر سب میں موجود ہر
ایک سے الگ ساری کائنات کا نور۔ مگر اپنی شخصیت میں جدا سب پر مہربان، سب کا خدا۔

پھر یہ تنزیہہ و تسبیح کرنے والے لوگ ایسے پاکیزہ کہ یاد الٰہی ان کی سب سے قیمتی متاع ہے
اُن کی محبوب ترین قدر ہے جس سے نہ تجارت اُنہیں غافل کر سکتی ہے نہ بیع و شرا انہیں صرف اُس
وقت کا دھڑ کا لگا رہتا ہے جب زاویہ قلب و نظر بدل جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ انسان
کی اصلی متاع یہی ذکر الٰہی ہے۔

اس نور کی داستان کے بعد پھر تاریکی کی تمثیل دی جاتی ہے اور اس تمثیل کے لئے منکرین کے
اعمال کو پیش کیا گیا ہے اور اعمال کفار کی بھی دو تشبیہیں دی گئی ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ ایک میدان
میں سراب اس طرح چمک رہی ہو جس طرح پانی کی لہریں چمکتی ہیں۔ پیاسا اسے پانی سمجھ کر
لپکتا ہے۔ جب آگے بڑھتا ہے اُسے وہی سراب ملتی ہے اور پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی ۔ اس

وقت وہ موت کو خدا کی شکل میں دیکھ لیتا ہے۔اور اُس کا حساب کتاب چکا دیا جاتا ہے۔

ایک کافر و گمراہ کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟ وہ اپنے کفر میں مگن رہتا ہے اور ا
کے مطابق غلط اعمال کیئے جاتا ہے۔اسے بڑی بڑی خوش آئند امیدیں آگے بڑھاتی رہتی ہیں
مگر روح تشنہ رہتی ہے۔ساری عمران ہی امیدوں میں ختم ہو جاتی ہے اور نتیجہ وہی تشنگی۔

اعمال کفر ہمہ تن تاریکی و تیرگی ہوتے ہیں۔اس لئے دوسری مثال اس قسم کی دی گئی ہے
اوپر بادل گھرا ہے نیچے سمندر ہی نہیں بلکہ سمندر کی آخری تہہ جہاں موجیں ایک دوسرے پر چڑھ
ہوئی ہیں،اوپر ابر سیاہ۔ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا۔

اوپر ابتدائی آیت میں نور کی لطافت کو درجہ بدرجہ بلند کر کے پیش کیا گیا ہے اور یہاں تار
در تاریکی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔وہاں تیل روشن شیشہ جگمگاتا ہوا اور چراغ ضوفشاں ہیں۔یہاں
سمندر کی گہرائی اس پر موج بر موج اور اس پر گھنگھور گھٹا۔وہاں نور علیٰ نور۔یہاں ظلمتوں پر ظلمتیں
کیا نور اور ظلمت کی اس سے بہتر کوئی اور نقشہ کشی بھی ممکن ہے؟

حق و باطل کی مثال

حق اور باطل کی مثال دیتے ہوئے بقائے النفع یا بقائے اصلح کے قانون کے متعلق قرآن
فرماتا ہے۔

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہنے
لگے اور سیلاب جھاگ کو جو اوپر رہتا ہے بہالے گیا اور اسی طرح جھاگ اس چیز میں بھی ہوتا ہے
جسے لوگ زیور اور سامان بنانے کی غرض سے تپاتے ہیں حق اور باطل کی مثال اللہ تعالیٰ اسی طرح
بیان فرماتا ہے۔میل کچیل تو بے مصرف ہو جاتا ہے۔اور جو چیز نفع بخش ہوتی ہے وہ زمین میں
باقی رہ جاتی ہے۔اور اللہ اسی طرح کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔(۱۳:۱۷)

''بقائے اصلح کا فطری قانون یہ ہے کہ نوع کے افراد اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور
تنازع للبقاء میں صلاحیت کی بدولت توافق پیدا کر لیتے وہ نوع باقی رہتی ہے اور غیر صالح انواع

ی جاتی ہیں۔قرآن پاک نے بقائے انفع کا قانون بتایا ہے جو بقائے اصلح سے بلیغ تر ہے۔وہ
ہتا ہے کہ بے مصرف اور بے نفع چیزیں رائیگاں جاتی ہیں اور وہ چیزیں باقی رہتی ہیں جو نفع بخش
ں۔انفع ہونے کے لئے اصلح ہونا بھی ضروری ہے ورنہ جواس کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو کہ اپنے
پ کو بچا سکے وہ دوسروں کے لئے کیا نفع بخش ہوگا۔انفع واصلح میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ انفع
سروں کی بقا کیلئے ہوتا ہے اور اصلح صرف اپنا ہی بچاؤ کرتا ہے۔بہر کیف قرآن پاک نے اس
ون فطرت کو سمجھانے کے لئے نہایت اعلیٰ مثال دی ہے کہ دیکھو سیلاب کی سطح پر خس وخاشاک
تے ہیں اور گلائی ہوئی دھات کی سطح پر بھی جھاگ آجاتا ہے مگر دونوں ضائع ہو جاتے ہیں۔
ینک دیے جاتے ہیں۔جس طرح خالص ومفید پانی جھاگ کے نیچے ہوتا ہے اسی طرح پگھلے
ے سونے چاندی کا خلاصہ بھی جھاگ کے نیچے تہہ نشین ہوتا ہے۔قرآن نے حق اور باطل کی یہ
ال اس لئے دی ہے کہ بسا اوقات باطل بڑے طوفانی انداز سے اوپر مسلط ہو جاتا ہے اور حق
اہر اس کے نیچے دب جاتا ہے۔لیکن باطل اوپر ہونے کے باوجود جھاگ اور خس وخاشاک کی
رح بہہ کر رائیگاں جاتا ہے اور حق زمین پر اس لئے باقی رہ جاتا ہے کہ اس میں نفع بخش ہونے کی
لاحیت ہے۔وہ اصلح بھی ہے اور انفع بھی۔انسان بے کار چیزوں کو پھینک دیتا ہے تو خدا تعالیٰ
ے مصرف اور بے نفع انسانوں اور قوموں کو کیوں باقی رہنے دے گا۔اعمال میں بھی یہی قانون
لتا ہے کہ بے نفع کام ضائع ہو جاتے ہیں اور بے نتیجہ ہوتے ہیں۔اور وہی کام بقا حاصل کرتے
یں جو نفع بخش ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ کتاب

(مولانا محمد تقی ع

بعض مغربی مصنفین نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو
''وحی'' درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک ''اندرونی کیفیت'' تھی جو تصورات کے غلبے
ہوئی تھی، یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے آغاز سے پہلے پچھلی ا
کے واقعات سے واقف تھے، اور وہی واقعات اُس ''خاص کیفیت'' کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم
زبان پر آ گئے،

اُن کا کہنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی اُمتوں کے یہ واقعات (معاذ اللہ) عرب
یہود و نصاریٰ سے سُنے تھے، اس سلسلے میں خاص طور پر بُحیرا اور نسطورا راہب کے نام لئے ج
ہیں، جن سے سفر شام کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا قصہ سیرت و تاریخ کی مختلف کتابوں
مذکور ہے، بعض مغربی مصنفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ راہب آریوسی فرقے سے تعلق ر
تھے، جو توحید کا قائل تھا، اِنہی راہبوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) توحید کا تصور اخذ کیا،
سے پچھلی کتابوں کا علم حاصل کیا، اور انہی سے پچھلی اُمتوں کے واقعات سیکھے۔

لیکن اگر انصاف و دیانت دنیا سے بالکل اُٹھ ہی نہیں گئی تو ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ
نہیں کرسکتا کہ سفر شام کے دوران اس مختصر سی ملاقات میں ان راہبوں نے اپنے سینے کی
معلومات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُنڈیل دی ہوں گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب کو را
رات جذب کر کے ایک انقلاب آفریں دین کی بنیاد ڈال دی ہوگی، اول تو یہ دعویٰ ہی سرے
بلا دلیل بلکہ بے بنیاد ہے کہ بحیرا اور نسطورا آریوسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے، کسی ضعیف
ضعیف روایت میں بھی اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی، اور مل بھی کیسے سکتی ہے جبکہ آریوسی فر
تو چوتھی صدی عیسوی ہی میں بدعتی اور ملحد (Heretic) قرار دے دیا گیا تھا، اور اس کے آر
کا نام لینا بھی قابلِ تعزیر جُرم قرار دے دیا گیا تھا، اتھاناسیوس (Athanasius) اور ا

پیشواؤں نے اُس فرقے کا بیج مارنے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی، اس بیکس فرقے میں اتنی جان تھی کہ وہ ساتویں صدی عیسوی تک سانس لے سکتا؟ اور اگر کوئی بچا کھچا فرد باقی ہوتا بھی تو یہ جرات کیسے ہوسکتی تھی کہ وہ بصریٰ جیسے شہر میں ایک خانقاہ کا سربراہ بن بیٹھتا؟

دوسرے جن روایتوں میں مذکور ہے کہ سفر شام کے دوران آپ ﷺ کی ملاقات ان راہبوں سے ہوئی تھی، انہی روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ انتہائی مختصر سرسری اور ضمنی ملاقات تھی، جس میں کسی تعلیم و تعلم کی گنجائش ممکن ہی نہیں، حیرت ہے اُن لوگوں کی عقلوں پر جو ایسی مضحکہ خیز باتوں پر ایمان لا سکتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ پر نزولِ وحی کو تسلیم کرنا اُن کے لئے مشکل ہے۔

یہاں ہم بحیرا راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات کی مفصل ترین روایت نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال واضح ہو سکے گی:۔

جامع ترمذیؒ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو طالب قریش کے کچھ مشائخ کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہوئے، شام میں جس جگہ جا کر اُترے وہاں ایک راہب رہتا تھا اس سے پہلے بھی اس راہب کے پاس گزر ہوتا تھا لیکن وہ کبھی ملتفت نہیں ہوتا تھا، اس مرتبہ جب یہ تجارتی قافلہ وہاں جا کر اُترا تو راہب خلاف معمول اپنی خانقاہ سے نکل کر آیا، اور متجسسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا

هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ، هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ،

"یہی ہے تمام جہانوں کا سردار یہی ہے پروردگار عالم کا رسول ﷺ، جسکو اللہ تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔"

سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ راہب نے کہا جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر و حجر ایسا نہیں تھا جس نے اس کو سجدہ نہ کیا ہو، اور شجر و حجر نبی ہی کے لئے سجدہ کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ میں آپ ﷺ کو مُہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو

کے ہم نواؤں نے اُس فرقے کا بیج مارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، اس بیکس فرقے میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ ساتویں صدی عیسوی تک سانس لے سکتا؟ اور اگر کوئی بچا کھچا فرد باقی ہوتا بھی تو اس کو یہ جرات کیسے ہوسکتی تھی کہ وہ بصریٰ جیسے شہر میں ایک خانقاہ کا سربراہ بن بیٹھتا؟

دوسرے جن روایتوں میں مذکور ہے کہ سفر شام کے دوران آپ ﷺ کی ملاقات ان راہبوں سے ہوئی تھی، انہی روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ انتہائی مختصر سرسری اور ضمنی ملاقات تھی، جس میں کسی تعلیم و تعلم کی گنجائش ممکن ہی نہیں، حیرت ہے اُن لوگوں کی عقلوں پر جو ایسی مضحکہ خیز باتوں پر ایمان لا سکتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ پر نزولِ وحی کو تسلیم کرنا اُن کے لئے مشکل ہے۔

یہاں ہم بحیرا راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات کی مفصل ترین روایت نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال واضح ہوسکے گی:۔

جامع ترمذیؒ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوطالب قریش کے کچھ مشائخ کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہوئے، شام میں جس جگہ جا کر اُترے وہاں ایک راہب رہتا تھا اس سے پہلے بھی اس راہب کے پاس گزر ہوتا تھا لیکن وہ کبھی ملتفت نہیں ہوتا تھا، اس مرتبہ جب یہ تجارتی قافلہ وہاں جا کر اُترا تو راہب خلاف معمول اپنی خانقاہ سے نکل کر آیا، اور متجسسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا

هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ، هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ،

''یہی ہے تمام جہانوں کا سردار یہی ہے پروردگار عالم کا رسول ﷺ، جسکو اللہ تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔،،

سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ راہب نے کہا جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر و حجر ایسا نہیں تھا جس نے اس کو سجدہ نہ کیا ہو، اور شجر و حجر نبی ہی کے لئے سجدہ کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ میں آپ ﷺ کو مُہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو

سیب کے مشابہ آپ ﷺ کے شانے کے نیچے واقع ہے۔

راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا، اور پورے قافلے کے لئے کھانا تیار کرایا، جب کھانے
سب حاضر ہوئے تو آپ ﷺ موجود نہ تھے، راہب نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ
ہیں؟ معلوم ہوا کہ اُونٹ چرانے گئے ہوئے ہیں، آدمی بھیج کر آپ ﷺ کو بُلایا، جس
آپ ﷺ تشریف لائے تو ایک ابر آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھا، جب آپ ﷺ اپنی قو
قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ سے پہلے درخت کے سائے میں جگہ لے چکے ہیں، اب
جگہ سایہ کی باقی نہیں رہی، آپ ﷺ ایک جانب کو بیٹھ گئے بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ ﷺ
جھک گیا، راہب نے کہا کہ درخت کے سائے کو دیکھو، وہ کس طرح آپ ﷺ کی ط
جھکا ہوا ہے، اور پھر کھڑے ہو کر قریش کے لوگوں سے کہا کہ آپ ان کو روم کی طرف نہ
جائیں، رومی اگر ان کو دیکھ لیں گے تو آپ ﷺ کی صفات اور علامات سے آپ ﷺ کو پہچان
قتل کر ڈالیں گے، اثناء کلام میں راہب کی نگاہ اٹھی تو دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی تلاش
اسی طرف آ رہی ہیں راہب نے پوچھا تم کس لئے نکلے ہو؟ رومیوں نے کہا کہ ہم اُس نبی ﷺ
تلاش میں نکلے ہیں (جس کی توریت وانجیل میں بشارت مذکور ہے) جو اس مہینے میں سفر کے
نکلنے والا ہے ہم نے اپنے آدمی ہر طرف بھیجے ہیں...... راہب نے کہا اچھا یہ تو بتلاؤ کہ جس
کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا ہو، کیا اسے کوئی ٹال سکتا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، اس
بعد رومیوں نے بحیرا راہب سے عہد کیا کہ وہ اب اس نبی کے درپے نہیں ہوں گے، اور و
راہب کے پاس ٹھہر گئے، راہب نے پھر قریش سے قسم دے کر پوچھا کہ تم میں سے اُن کا ولی کو
ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ابو طالب ہیں، اس کے بعد راہب مسلسل ابو طالب کو قسمیں دیتا رہا، کہ
ان کو ضرور واپس بھیج دو، بعض علماء کو اس روایت کی صحت میں بھی کلام ہے لیکن اگر یہ صحیح ہو تب
اس میں خورد بین لگا کر بھی اس بات کی کوئی گنجائش نہیں نظر آتی کہ آپ ﷺ کی عمر کُل بارہ
سال تھی، کیا یہ بات کوئی صحیح العقل انسان باور کر سکتا ہے کہ اس کم سنی میں چند گھنٹوں کی اس مختص

ملاقات نے پچھلی امتوں کا ایسا گہرا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کو چیلنج کر کر کے اُن کی کتابوں میں تحریف کی وضاحت فرمائیں، اور اُن کی غلطیاں واضح کریں؟

اور نسطورا راہب سے ملاقات کا قصہ تو بحیرا کے قصہ سے بھی زیادہ مختصر ہے،

اور اگر کوئی اُس کی بنیاد پر یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے معلومات حاصل کی تھیں تو سوائے تعصب اور اسلام دشمنی کے اس کی کوئی توجیہ ممکن ہی نہیں۔

پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اہل کتاب سے یہ واقعات سُن رکھے تھے، تو وہی کفار مکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کے لئے ہر رائی کا پہاڑ بنانے کے لئے تیار تھے، اس موقع پر کیوں خاموش رہے؟ انھوں یہ دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں فلاں فلاں اہل کتاب نے سکھائی ہیں، انتہا یہ ہے کہ آپ کبھی کبھی مکہ مکرمہ کے ایک لوہار کے پاس کھڑے ہو جایا کرتے تھے، مخصوص اتنی سی بات سے کفار مکہ نے یہ شہرت دیدی کہ یہ لوہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم ہے، جس کی تردید قرآن کریم نے اس طرح فرمائی کہ:۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ (النحل:۱۰۳)

لیکن ان میں سے کسی نے کبھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علم بحیرا، نسطورا یا ورقہ بن نوفل سے حاصل کیا ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ایسا بے تکا اعتراض تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر مخالف ہم عصروں نے بھی زبان سے نکالنا پسند نہیں کیا۔

قرآن کریم پر چند اعتراضات

بعض مستشرقین نے قرآن کریم کے بیان کئے ہوئے بعض واقعات پر اعتراضات کئے ہیں اور اُن سے یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعات اہل کتاب کے کسی عالم کی زبانی سنے تھے جنہیں بیان کرنے میں مغالطہ ہو گیا مثلاً:۔

حضرت مریمؑ کے والد کا نام

مثلاً انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ:۔مریم حضرت موسیٰ
کا نام بھی تھی ،اور حضرت عیسیٰ کی والدہ کا بھی ،اور اول الذکر عمران کی بیٹی تھی ،قرآن
(معاذ اللہ) مغالطے کی بناء پر موخر الذکر کو بھی ''بنتِ عمران'' قرار دیدیا۔

مقام افسوس ہے کہ یہ بے سر و پا اعتراض برٹانیکا جیسی عالمی شہرت کی کتاب میں درج
ہوئے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی گئی ،اگر ''برٹانیکا'' کا مقالہ نگار کسی یقینی دلیل سے یہ بھی ثا
دیتا کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام ''عمران'' نہیں تھا،تب تو یہ اعتراض کسی درجے میں قابل
ہو سکتا تھا،لیکن حالت یہ ہے کہ اگر خود انہی سے پلٹ کر یہ پوچھ لیا جائے کہ پھر حضرت مریمؑ
والد کا نام عمران کے سوا اور کیا تھا؟ تو اس کے جواب میں ان کے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہ
گا،انتہا یہ ہے کہ بائبل میں بھی اُن کے والد کا کوئی نام مذکور نہیں ،اور خود برٹانیکا کے
''مریم'' میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ:۔

''حضرت مریمؑ کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز
کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے''۔

ایک طرف یہ لاعلمی اور دوسری طرف یہ دعویٰ کہ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے والد
(معاذ اللہ) مغالطے پر مبنی ہے،کیا ''برٹانیکا'' کے مقالہ نگار یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ کسی
کا نام ''عمران'' رکھا جا چکا ہو،تو اب دنیا میں کوئی شخص اس کا ہم نام پیدا نہیں ہو سکتا؟ حقیقت
ہے کہ یہ تو قرآن کریم کی حقانیت کی واضح دلیل ہے کہ وہ اُن تاریخی حقائق کی علی الاعلان نقاب
کشائی کر رہا ہے جو سات سو سال سے نامعلوم تھے،اور اس خود اعتمادی اور دھڑلے کے ساتھ
رہا ہے کہ چودہ سو سال سے اس کے بدترین دشمن بھی اسے غلط قرار دینے کی جرات نہیں کر
پھر یہ بات صرف حضرت مریمؑ کے والد کے نام ہی تک محدود نہیں ،بلکہ حضرت مریمؑ کی پید
اُن کی تربیت ،اُن کے بچپن اور اُن کی ابتدائی زندگی کے تمام حالات کے بارے
تمام ''مستند'' عیسائی مآخذ بالکل خاموش تھے ،یہاں تک کہ چاروں معتبر اناجیل میں بھی

حالات کا تذکرہ موجود نہیں ہے یہ قرآن کریم ہی تھا جو پہلی بار ان واقعات کو منظر عام پر لایا، شروع شروع میں عیسائی دنیا ان ''انکشافات'' پر بھی اعتراضات کرتی رہی، مگر اب خود عیسائیت کی ایسی قدیم کتابیں دریافت ہو رہی ہیں، جن میں تقریباً قرآن کریم کے بیان کردہ یہی واقعات بیان کیے گئے ہیں، حیرت ہے کہ قرآن کریم کے ان واضح معجزات کو دیکھ کر بھی ان ''دانشوروں'' کو قرآن کریم پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام کسی عیسائی مآخذ میں نہیں ملتا؟

فرعون کا وزیر ہامان

''برٹانیکا'' کے مقالہ ''قرآن'' ہی میں ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے فرعون کے ایک وزیر کا نام ہامان ذکر کیا ہے، حالانکہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائبل کے عہد نامہ قدیم میں نہیں ملتا، مقالہ نگار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دراصل ہامان شاہ اسویرس کا وزیر تھا، جس کا ذکر بائبل میں موجود ہے، آنحضرت ﷺ نے چونکہ یہ واقعات زبانی سیکھے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے (معاذ اللہ) مغالطے سے یہ نام فرعون کے وزیر کی طرف منسوب کر دیا،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی انتہائی بے سروپا بات ہے، اور اسی طفلانہ مفروضے پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک نام کے دو انسان نہیں پائے جا سکتے، پھر واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا ذکر ''برٹانیکا'' کے مقالہ نگار نے کیا ہے اس کا قصہ صرف بائبل کی ایک مشتبہ کتاب (Apocryphal book) آستر میں مذکور ہے، اس کتاب کو پروٹسٹنٹ فرقہ معتبر نہیں مانتا، چنانچہ مروجہ پروٹسٹنٹ انجیلوں میں یہ کتاب موجود نہیں ہے، البتہ کیتھولک فرقہ اسے مستند مانتا ہے، اس مشکوک کتاب میں جو ہامان یا آمان کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ شاہ اسویرس کا وزیر نہیں بلکہ صدر دربار تھا، اور اس کا جو قصہ اس کتاب میں مذکور ہے اسے ہامان کے قرآنی واقعے سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں ہے، قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے لئے ایک اونچا محل تعمیر کرائے، تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰؑ کے خدا کو جھانک سکے، نیز قرآن کریم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت تک فرعون کا منہ چڑھا وزیر رہا، اور بالآخر اسی کے

ساتھ غرق ہوا، اس کے برعکس کتاب آستر میں ہامان (یا آمان) کی طرف اس نوعیت کا کوئی قصہ منسوب نہیں کیا گیا، کتاب آستر کا ہامان بخت نصر کے واقعے کے بعد کا ہے، اور اس کا قصہ صرف اتنا ہے کہ ایک اتفاقی واقعہ کی بناء پر صرف مختصر عرصہ کے لئے بادشاہ اسویرس کا تقرب حاصل کرتا ہے، لیکن اسی دوران وہ یہودیوں کے قتل عام کا حکم جاری کروادیتا ہے جس پر بادشاہ کی یہودی ملکہ آستر اس کی دشمن ہو جاتی ہے، اور انجام کار بادشاہ اُسے سُولی پر لٹکا کر اسکی جگہ ایک یہودی مردکے کو نامزد کردیتا ہے۔

جس شخص نے آستر کی کتاب کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہو وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آستر کے اس قصے کو ہامان کے قرآنی واقعے سے دور دراز کا بھی تعلق نہیں، اگر واقعہ ہامان کے تذکرے میں آستر والے ہامان سے اشتباہ لگا ہوتا تو دونوں قصوں میں کہیں تو کوئی اتفاق ہونا چاہئے تھا، لیکن واقعہ یہ ہے دونوں میں مطابقت کی کوئی ادنےٰ جھلک بھی نہیں پائی جاتی، ہامان کا جو واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہ آستر یا بائبل کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، اور آستر میں جو قصہ منقول ہے وہ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ لاکھوں احادیث کے ذخیرے میں بھی کہیں نہیں ملتا، جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کبھی آپ ﷺ کے علم میں آیا تھا۔

پھر عجیب بات یہ ہی کہ دو ہمنام شخصوں کو دیکھ کر اشتباہ لگنے کا یہ فائدہ عہد حاضر کے عیسائی اور یہودی مستشرقین کو ہمیشہ صرف قرآن اور اسلام ہی کے معاملات میں یاد آتا ہے، بائبل میں جو سینکڑوں ہم نام انسانوں کا ذکر ہے اُن کے بارے میں انہیں کبھی اس قسم کے خیالات نہیں ستاتے؟

روشن خیالی اور بنیاد پرستی

(رحمت اللہ شاہ)

ہمارے معاشرے میں اگر کسی کو روشن خیال اور اعتدال پسند کہا جائے تو عام تاثر یہی ملتا ہے کہ اس نے ان الفاظ کو اپنی ذات کیلئے پسند کیا ہے اسی طرح اگر کسی کو بنیاد پرست یا انتہا پسند کہہ دیا جائے تو اکثر ناگواری کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ معصومیت اور نادانی کا یہ عالم ہے کہ نہ تو روشن خیالی یا اعتدال پسندی کا پس منظر معلوم ہے اور نہ ہی بنیاد پرستی کے بارے میں علم ہے ہم کیوں روشن خیال یا اعتدال پسند بننا چاہتے ہیں یا ہم کیوں بنیاد پرستی کی مذمت کرتے ہیں؟ یہ سوال شاید ہمارے تحت الشعور میں ہی دفن رہتے ہیں۔ معنی اور مفہوم سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم صرف الفاظ کی دلکشی کو دیکھ کر اعتدال پسندی اور وشن خیالی کا لیبل لگانا چاہتے ہیں اور بنیاد پرستی کا لیبل اُتار دینا چاہتے ہیں۔

یہ بنیاد پرستی کیا ہے؟ اگر عام معنی میں دیکھا جائے تو اللہ رب کائنات پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، آسمانی کتب پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان اور خیر وشر کی اقدار پر ایمان، اسلامی ایمانیات ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مسلمان کا ان پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ مسلمانوں کا اللہ کو ایک ماننا، رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی اور رسول تسلیم کرنا، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو زندگی کی کامیابی کیلئے کامل اور دائمی نمونہ تسلیم کرنا، آخرت کو برحق ماننا وغیرہ ان سب تعلیمات کی بنیاد ایک اللہ پر ایمان سے ہوتی ہے۔ اس لئے خدا پرستی ہی بنیاد پرستی قرار پاتی ہے۔ چونکہ اسلامی تعلیمات کا مرکز ومحور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اس لئے وسیع تر مفہوم میں تمام دیگر تعلیمات اسلامی اسی بنیاد پرستی کے زمرہ میں آتی ہیں۔ بنیاد پرستی کی اصطلاح صرف اسلام کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ عیسائیت اور یہودیت میں بھی ایک اللہ کی پرستش کا حکم تھا۔ یہ بھی آسمانی مذاہب ہیں اور ان کی تعلیمات کی بنیاد بھی الہامی علم پر ہے وہاں بھی بنیاد پرستی اسی معنی اور مفہوم میں موجود ہے۔

جس طرح ایک سچے اور پکے مسلمان کو بنیاد پرست کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سے عیسائیت میں الٹرا کرسچن رائٹ طبقہ مذہبی سوچ میں پختہ ہونے کی وجہ سے بنیاد پرست کہلاتا ہے اور

یہودیت میں حاسد طبقہ یہودی بنیاد پرست کہلانے یا بنیاد پرستی کا موجب ہیں۔

دوسری طرف اعتدال پسندی یا روشن خیالی کا تصور ہے۔ یورپ کی تاریخ میں اصلاح مذہب کے نام سے ایک تحریک ہے جس میں عیسائی یورپ نے چرچ کے خلاف بغاوت کی۔ جذبہ قوم پرستی کو ترقی دے کر فلسفہ، اخلاق، معشیت، سیاست اور معاشرت کو مذہب سے پاک کیا۔ مشاہداتی اور تجرباتی علوم کا سہارا لیا۔ ہر ان دیکھی چیز کا انکار روشن خیالی سمجھا جانے لگا۔ مادیت نے اس قدر ان کی زندگی میں مقام حاصل کیا کہ اخلاقی اور الہامی ہدایت کو دقیانوسی اور جہالت و گمراہی پر مبنی تصور کیا جاتا اور اسے پر اعتدال زندگی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

جہاں تک روشن خیالی اور بنیاد پرستی میں کشمکش کا تعلق ہے تو یہ کشمکش یہودیت اور عیسائیت میں تو قابل فہم اور فطری ہے۔ جس کی بڑی وجہ ان کا اپنے اصل راستے کو گم کر دینا ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے ان کے انبیاء کی تعلیمات کے ذریعے بتایا گیا تھا۔ یہودیت میں صہیونیت کا فرقہ روشن خیال تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی کشمکش حاسد فرقہ سے ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے یہ حاسد فرقہ صیہونی ریاست اسرائیل کو ایک فتنہ اور شیطانی ریاست تسلیم کرتا ہے اور اس کے وجود کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ عیسائیت میں مذہبی طبقہ اور روشن خیالوں کی جنگ اصلاح مذہب کے نام پر ہو چکی ہے۔ اب بھی اگرچہ زیادہ تر سیکولر اور روشن خیال عیسائی ہیں مگر بنیاد پرستی ابھی تک عیسائیت میں موجود ہے اور ان دونوں کے درمیان جنگ جاری ہے۔

مسلم دنیا میں روشن خیالی اور بنیاد پرستی کی جنگ بالکل غیر فطری ہے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہر مسلمان کیلئے اسلامی تعلیمات کا ایک مکمل نمونہ موجود ہے۔ مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی تحریف نہ ہوگی اللہ کے نبی ﷺ کی ساری زندگی اور تعلیمات کا نمونہ پورا کا پورا مسلم امت کیلئے محفوظ ہے۔ اس لئے اس پر ایمان اور عمل کا راستہ تو موجود ہے مگر کسی طرح سے بھی اس میں تجدید کی گنجائش نہیں ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان یہ دعویٰ کرے کہ وہ صرف روشن خیال یا سیکولر ہے تو اس روشن خیالی کا مطلب اسلامی تعلیمات سے انکار ہے کیونکہ دین فطرت پر عمل پیرا مسلمان قرآن کی روشن تعلیمات کی وجہ سے بذات خود روشن خیال بنیاد پرست ہوتا ہے۔

اگرچہ پاکستان کی تاریخ میں سیکولر طبقہ ہمیشہ مذہبی قوتوں کے مقابل آتا رہا ہے۔ سیکولر طبقہ کو قرارداد مقاصد کی منظوری سے گزشتہ نصف صدی میں کئی بار شکست کا سامنا رہا ہے۔ موجودہ فوجی حکومت کے آنے پر سیکولر طبقہ کو پھر ایک آسرا ملا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ پرویز مشرف صاحب نے جب مصطفیٰ کمال اتاترک کو اپنا آئیڈل کہا اور میڈیا پر اپنی پہلی تصویر میں دونوں بغلوں میں پالتو کتے لئے نظر آئے تو سیکولر طبقہ کے مردہ جسم میں پھر جان آئی۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر روشن خیال اور اعتدال پسند صدر کے نظریات کی تشہیر کی گئی۔ آج مصطفیٰ کمال اتاترک سے کون واقف نہیں۔ وہ اتاترک ہی تھا جس نے مسلمانوں کو ان کی اسلامی اقدار سے ہٹانے کیلئے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ خلافت عثمانیہ کے مرکز ترکی کو ایک بے دین ملک بنانے کیلئے اس کے عوام پر جبر کیا۔ اسلامی شناخت تک مٹانے کیلئے زبردستی باریش مسلمانوں کی داڑھیاں منڈوائی گئیں۔ ان خواتین کو بے نقاب کیا اور ان کے سروں پر استرے پھروائے جو پردہ کیا کرتی تھیں۔ اتاترک اسلام کی تجدید میں اس حد تک گیا کہ اس نے اذان اور نماز کیلئے ترکی زبان کو عربی کی جگہ لازمی قرار دیا۔ ''سب سے پہلے ترکی'' اسی اتاترک کا دیا ہوا نعرہ تھا۔ اتاترک نے روشن خیالی کے نام پر خود کو یورپ کے رنگ میں رنگنے کیلئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر یورپ نے اسے خود سے دور ہی رکھا۔

پاکستان میں مذہبی اور بنیاد پرست طبقہ اس قدر کمزور نہیں ہے کہ ہمارے صدر صاحب اتاترک کی طرح جبر و تشدد کا راستہ اختیار کر کے (نعوذ باللہ) اسلام کی تجدید اتاترک کے طریقہ پر کر لیں تاہم الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر اسلامی شعائر کا مذاق روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر جاری ہے۔ ہمارے نامور مبصر اور کالم نگار حضرات بعض دفعہ بڑے فخر سے مغرب کے نظام کے گن گاتے ہیں اور اس نظام سے سبق لینے کی بات کرتے ہیں یا اس کے اچھے پہلوؤں کو اپنانے کی بات کرتے ہیں۔ وہ روشن خیالی میں یہ بات بھول ہی جاتے ہیں کہ مغرب نے سرے سے کوئی نظام دیا ہی نہیں۔ نظام تو نظام الٰہی کی صورت میں ''اسلام'' کے نام سے موجود ہے اسلامی تعلیمات نہ تو بدلی ہیں اور نہ ہی بدلیں گی۔ یہ تعلیمات اپنی جگہ اٹل ہیں جن میں کسی روشن خیال اور اعتدال پسند کی طرف سے اضافہ یا کمی بالکل نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ اسلام آخری دین ہے اس لئے

یہ سب نظاموں سے ماڈرن اور روشن خیال ہے۔

یہ مغرب سے درآمدہ روشن خیال سوچ اور فکر ہی ہے جس کیلئے کبھی حدود آرڈیننس میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو کبھی توہین رسالت کے متعلق قوانین پر نظر ثانی کی بات کی جاتی ہے۔ کبھی نصاب تعلیم سے اسلامی مضامین نکال کر اسے سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے تو امتحانی نظام آغا خانیوں کے سپرد کرنے کی بات کی جاتی ہے۔ روزمرہ زندگی کے ہر میدان میں اعتدال کی راہیں استوار کی جاتی ہیں۔ مذہبی سوچ کے حامل افراد یا علماء کرام کی طرف سے اگر اس کی مذمت ہو تو اسے ملائیت کی دقیانوسی سوچ، تنگ نظری اور بنیاد پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

روشن خیالی اور بنیاد پرستی کی بحث صرف داخلی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ بین الاقوامی نوعیت کا ایجنڈا ہے۔ امریکہ پوری دنیا کے وسائل پر قابض ہو کر حکمرانی کر رہا ہے اپنی مضبوط فوج کے ذریعے پوری دنیا کا کنٹرول سنبھالنا چاہتا ہے۔ اب صرف اس پر ہی اکتفا نہیں ہے بلکہ بات اس سے آگے نظریات اور افکار کی ہے۔ امریکہ اپنے نظریات و افکار کو پوری دنیا پر لاگو کرنا چاہتا ہے۔ ماضی میں تو اس کی حکمرانی اور اجارہ داری خدا کے انکار پر مبنی تھی مگر آج خدا کے انکار سے آگے خلاف خدا نظام کی بات ہے۔ جس میں خدا، الہامی کتب، وحی اور شریعت کی کوئی گنجائش نہیں۔ سوچ اور فکر بین الاقوامی سطح پر روشن خیالی کی آئینہ دار ٹھہری ہے۔ اس میں کسی طرح سے بھی مذاحمت کرنے والے دہشت گرد قرار پائے ہیں۔ دنیا کے مادی وسائل پر حاوی امریکہ کے ہم خیال لوگ اس کی خوشنودی کیلئے اپنے ملک میں روشن خیالی کے داعی ہیں۔

اب ہر شخص کو الفاظ کے ابہام سے نکل کر خود یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ روشن خیال اعتدال پسند ہے یا اپنے لئے بنیاد پرستی کو پسند کرتا ہے۔ موجودہ دور کا ہم سے یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ہم روشن خیال یا اعتدال پسند نہیں بلکہ ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری عبادات کا مرکز و محور ہے ہمیں اپنے اس عقیدے کی وجہ سے یہ نام قبول ہے اور ہم بنیاد پرستی کو عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہماری بنیاد ہی اعتدال اور روشنی پر رکھی گئی ہے اسلئے۔

منصب خلافت

عبدالرشید ساہی (ڈسکہ)

شعر نمبر ا:

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اس شعر میں اقبال نے انسان کا قرآنی تصور پیش کیا ہے جو یہ ہے کہ ساری کائنات اللہ نے انسان کے لئے پیدا فرمائی ہے کہ وہ اس کی قوتوں کو مسخر کرے اور اپنے فائدے کے لئے استعمال کرے اور انسان کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے وہ اس کی اطاعت کرے اور زمین میں اس کی نیابت کا فرض انجام دے قرآن حکیم میں ارشادربانی ہے:۔

ترجمہ: ''ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کیلئے پیدا فرمایا ہے لیکن انسان دنیاوی لذات میں کھو چکا ہے اس لئے ، مسجودالملائک ، احسن تقویم اور خدائی دست شفقت سے بنا ہوا انسان اپنی اصل کو بھول گیا ہے اسی لئے تو یہ عارضی اور فانی دنیا میں دل لگا بیٹھا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اللہ تعالٰی نے عالم ارواح میں تمام روحوں کو سامنے بٹھا کر سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب ارواح نے یک زبان اقرار کیا کہ بیشک آپ ہی ہمارے رب ہیں۔اب اس مادی دنیا میں جس نے اپنے روز الست والے عہد کا پاس کیا وہ تو کامیاب قرار پائے گا اور دوسرا ناکام۔

شعر نمبر ۲:

یہ عقل و دل ہیں شرر شعلہء محبت کے
وہ خار و خس کے لئے ہے یہ نیستاں کے لئے

علامہ اقبال فرماتے ہیں عقل اور دل دونوں کی بنیاد عشق ہے اور اللہ نے دو قوتیں انسان کو

اس لئے عطا فرمائی ہیں کہ وہ عقل کی بدولت مادی دنیا کو تسخیر کرے اور دل کی بدولت عالم رو
کو اپنے قبضہ میں لاسکے آج آپ جو یہ نت نئی ایجادات سے بہرا ور ہو رہے ہیں یہ سارا کی
خدا تعالیٰ کی عطا کردہ عقل کی قوت کی بدولت ہو رہا ہے حدیث قدسی ہے کہ اللہ نے جب عقل
پیدا فرمایا تو اس کو حکم دیا میرے قریب آ وہ آ گئی فرمایا پیچھے ہٹ جا وہ پیچھے ہٹ گئی فرمایا بیٹھ جا
بیٹھ گئی پھر فرمایا کھڑی ہو جا وہ کھڑی ہو گئی پھر فرمایا مجھے میرے جلال کی قسم میں فقط تیری بدولت
انسان سے حساب کتاب کرونگا'' مادی دنیا کی ساری رونقیں ساری آسائشیں اور ساری رنگینیاں
عقل کی بدولت ہیں علامہ فرماتے ہیں:

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

انسان کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ دوسری قوت دل ہے اور یہ اللہ کا مسکن بھی ہے اس
وسعت کا اندازہ ناممکن ہے حضرت سلطان باھوؒ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

چوداں طبق دلے دے اندر تنبوں وانگر تانے ہو

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

شعر نمبر ۳:

مقام پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کیلئے ہے نہ آشیاں کیلئے

علامہ اقبال فرماتے ہیں: یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں بنائی کہ انسان اس کو اپنی مستقل
اقامت گاہ بنائے یا اس کی لذتوں میں کھو کر اپنے مقصود سے غافل ہو جائے بلکہ انسان کو دنیا میں
اس لئے بھیجا گیا ہے کہ یہ اپنی خودی کی تربیت کر سکے اس کا مقصد حیات اللہ کی محبت ہے نہ
دنیا کی محبت۔ اللہ نے انسان کو وقت یعنی زندگی عطا فرمائی اور قیامت کے روز اسی وقت کا حساب
لیا جائے گا کہ آیا انسان نے دیا گیا وقت خدائی اطاعت میں گزارا' اللہ کی محبت میں بسر کیا اور ا

مخلوق کی خدمت کرتے ہوئے گزارا یا دنیاوی ہوا و ہوس میں گم ہو کہ وقت ضائع کر دیا اور خدائی
[illegible]م ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جو انسان زندگی اللہ کی مرضی و منشا کے مطابق بسر کرے گا وہ
[illegible]میاب و کامران قرار پائے گا دوسرا ناکام ہو گا علامہ اقبال فرماتے ہیں

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے "جس نے کہا کہ میرا" "رب" اللہ ہے اور پھر اس پہ ڈٹ
[illegible]یا تو ہم اس کی مدد کے لئے فرشتے نازل کرتے ہیں دراصل اللہ کو تمام صفات کے ساتھ مان لینے
[illegible]نام ایمان ہے علامہ فرماتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟

شعر نمبر ۴:

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
تیرا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کے لئے

علامہ اقبال فرماتے ہیں اے مسلمان خدا تعالیٰ نے تجھ کو ساری کائنات پر حکومت کرنے کے
[illegible]ئے پیدا کیا ہے اس لئے تیرا زاویہ ء نگاہ آفاقی ہونا چاہئے یعنی تیرا نصب العین یہ ہے کہ ساری
[illegible]نیا میں اسلام کے اصولوں کی اشاعت ہو۔ تمام دنیا اسلام کی حلقہ بگوش ہو جائے پس تو اپنی
[illegible]دوجہد کو پاکستان، مصر اور عراق تک محدود مت کر تجھ کو اللہ نے ساری اقوام عالم کا سردار بنایا ہے
[illegible]م کو تمام کتابوں کی سردار کتاب قرآن حکیم عطا فرمایا ہے اس کتاب کو تمام فرشتوں کے سردار
[illegible]ضرت جبرائیلؑ کے ذریعے عطا فرمایا ہے اور تم کو تمام انبیاء کا سردار اور اپنا محبوب رسول ﷺ
[illegible]طا فرمایا ہے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے

ترجمہ: "اے مسلمانوں ہم نے تم کو تمام اقوام عالم کا سردار بنایا ہے تم بہترین امت ہو جو
[illegible]وگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور تمہارا فرض یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرو گے اور برائیوں

سے روکو گے'' یہ صرف آیت نہیں ہے بلکہ وہ آئینہ ہے جس میں مسلمان اپنی صورت
ہیں کہ وہ کس حد تک اللہ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں اگر آپ برا نہ منائیں تو میں یہ برملا
اسلامی معاشرہ روز بروز فرنگی معاشرہ کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور لوگ نادم ہونے کی
اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم روشن خیال بن گئے ہیں پچھلے دنوں ہماری حکومت نے بھی بے
حد کر دی اور اعلان فرمایا کہ ہر شہر میں میراتھن ریس ہو یعنی جوان لڑکے لڑکیاں سڑکوں
لگائیں گے یعنی غیرت مند قوم کی غیرت مند بیٹیوں کی نمائش لگے گی بھلا ہو گوجرانوالہ
عوام کا جنہوں نے اس برائی کو بزور قوت روک دیا میں ان مسلمان اور غیرت مند بھائیوں
پیش کرتا ہوں کہ اللہ کرے غیرت بیدار ہو جائے اور ہمیں اسلاف کا بیدار ضمیر عطا ہو جائے
پورے عالم میں نظر دوڑائیے آپ کو خون مسلم کی ارزانی نظر آ جائے گی افغانستان کو کھنڈرات
تبدیل کر دیا گیا ہماری غیرت نہیں جاگی عراق میں انسانیت دم توڑ رہی ہے ہماری خودی بید
ہوئی کشمیر میں ۸۰ ہزار بے گناہ شہید ہو چکے ہیں ہم پھر بھی خواب غفلت سے نہیں جاگے او
مستقبل میں بیداری کے کوئی آثار ہی نظر نہیں آتے ہیں قوم مسلم کیا تمہارے کانوں کو شمشیر
جھنکار، ہدف پر جاتے تیروں کی سنسناہٹ اور مجاہدوں کے گھوڑوں کے سموں کی آواز سنائی د
ہو گئی ہے اپنے نامور مجاہدوں اور غازیوں کو فراموش کر بیٹھے ہو یاد رکھو اپنی تاریخ کو فرام
دینے والی قومیں جھروکوں میں گم ہو جایا کرتی ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں

تیرا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تیری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تیری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے

شعر نمبر ۵:

نشان راہ جو دکھاتے تھے ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے

علامہ فرماتے ہیں افسوس! مسلمان کسی زمانے میں دوسروں کی راہنمائی کرتے تھے لیکن آج کی حالت یہ ہے کہ خود رہنماؤں کے محتاج ہیں بلکہ ایک عرصہ سے کسی رہنما کے منتظر ہیں لیکن جو تھے وہ حکمران جورات کو خود مظلوم کی دادرسی کرتے بھوکوں کو کھانا کھلاتے قدرت کا یہ قانون ہے عدالتیں بکنے لگ جائیں انصاف کرنے والے منصف اور عدل کرنے والے قاضی ظالموں کے ہاتھ بک جائیں جب مظلوم کا ہاتھ زنجیر عدل تک نہ پہنچ پائے تو کیسے عادل حاکم جنم لیں یہ محال نہیں ہوتا ہے

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
تم اچھے مسیحا ہو دوا کیوں نہیں دیتے

شعر نمبر ۷:

نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

علامہ فرماتے ہیں مسلمانوں کا رہنما وہ شخص ہو سکتا ہے جس کا نصب العین یہ ہو کہ میں اسلام کو دنیا میں غالب کرونگا اور وہ قرآن و حدیث کے امور کا ماہر ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رسول ﷺ میں فنا ہو چکا ہو واضح ہو کہ نگاہ میں بلندی، سخن میں دلنوازی اور جان میں سوز۔ یہ باتیں صرف اور صرف عشق رسول ﷺ ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ "ساری کی ساری عزت میری ذات کیلئے ہے میرے محبوب رسول ﷺ کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے" اس آیت سے واضح ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کو عزت مطلوب ہے تو انہیں کتاب حکمت قرآن کو آئین کے طور پر اپنانا ہو گا ساتھ ہی اتباع رسول ہاشمی ﷺ کی پاسداری کرنا ہوگی اور تیسری بات یہ ہے کہ مومنین کی نظر میں عزت و احترام کا مقام بنانا ہوگا تب جا کر ہمیں بطور مسلم قوم عزت اور توقیر حاصل ہو

گی۔لیکن آجکل تو عزت فرنگی تقلید میں تلاش کی جا رہی ہے یاد رکھو مسلمانو! یہ راستہ
کا راستہ ہے یہ ظلمت کا راستہ ہے یہ فحاشی اور عریانی کا راستہ ہے یہ بے غیرتی اور بے وفائی
ہے اور یہ زندگی میں ناکامی اور پشیمانی کا راستہ ہے خدارا ان راہوں سے واپس مڑ جاؤ آؤ
قرآن کا راستہ اختیار کریں پیارے نبی ﷺ کے فرمان کا راستہ اختیار کریں اور ان مومنین
اختیار کریں جن کے راستے کی تمنا پانچ وقت کی نمازوں میں کی جاتی ہے یعنی انعام یافتہ
کامل انسانوں کا راستہ۔

شعر نمبر ۷:

ذرا سی بات تھی، اندیشہ ء عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ توحید کا عقیدہ بہت آسان اور مختصر ہے اس کے سمجھنے
دشواری نہیں ہے بس اتنی سی بات ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کر سکتا
ہے اور یہی اسلام ہے اور یہی قرآن کی روح ہے لیکن مسلمانوں نے اپنی نادانی سے اس
بات کو اتنا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ برسوں علم عقائد اور علم کلام کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے
جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ دلوں میں پیدا نہیں ہوتا اسی وجہ سے کفر اسلام پر غالب ہوتا جا
مسلمان دن بدن بلحاظ قوت کمزور ہو رہے ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں۔

عرب کے سوز میں ساز عجم ہے
حرم کا راز توحید اُمم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشہء غرب
کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے

توحید بظاہر تو عقیدہ ہے کہ یعنی یہ کہ اللہ کے سوا اور کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی ا
کی جائے لیکن بباطن چیلنج ہے ساری دنیا کے کفر کے نام۔ایک مسلمان جب یہ کہتا ہے کہ

إلا اللہ تو دراصل وہ ساری دنیا کو الٹی میٹم دیتا ہے کہ میں کسی دنیاوی طاقت یا حکمران کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسے کفر سے برسر جنگ ہونا پڑے گا اس لئے توحید کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر وقت جہاد کیلئے تیار رہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلقین کی ہے "اے مسلمانو! جس قدر قوت تم فراہم کر سکو اور اپنی سرحدوں پر گھوڑے باندھ کر گرانی کا جس قدر فرض انجام دے سکو سب ان کے مقابلے کیلئے تیار رکھو تا کہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمن کو خوفزدہ کر سکو"، لیکن قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے بعد اہل اسلام نے یہ سبق فراموش کر دیا اور اسلحہ ساز فیکٹریاں بنانے کی بجائے بڑے بڑے قلعے اور مساجد تو تعمیر کیں سیر گاہیں اور پارک تو بنائے عیاشی اور فحاشی کے اڈے تو تعمیر کئے سینما گھروں اور تھیٹروں کی تعمیر تو کی کلبیں اور ڈانس گھر تو بنائے مگر اسلحہ میں خود کفالت کے لئے کوئی کام نہ کیا جس کی وجہ سے ناکامی اور شکست و ریخت ان کا مقدر ٹھہری آج بھی تمام مسلم ممالک عیاشی کے حصول کی خاطر بے پناہ دولت صرف کر رہے ہیں مگر فوجی ساز و سامان کے لئے غیروں کے دست نگر ہیں F16 طیاروں اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے لئے کفار کے دروازے پر کاسہ گدائی لے کر بھیک مانگتے ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

حکیمی نامسلمانی خودی کی
کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

اے مسلمان۔ کاسہ گدائی کو توڑ دے تجھے تو اللہ نے تسخیر کائنات کے لئے بنایا ہے تجھے سارے زمانے پر غلبہ حاصل کرنا ہے تیرے پاس تو قرآن کریم کی شکل میں نسخہ کیمیا موجود ہے اس کی روشنی میں کاوش کر کامیابی و کامرانی تیری راہ دیکھ رہی ہے فطرت اپنی تمام قوتیں تیرے ہم رکاب کرنا چاہتی ہے اللہ تجھ پر مہربانی کرنا چاہتے ہیں محنت، کر ہمت، کر کاوش کر اور قدرت کے رازوں پر سے پردہ اٹھا یہی تیرا مقام ہے اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے۔

قرآنی تصور مملکت

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ

بیعت حکمران کی اطاعت کو جیسی کچھ اہمیت حاصل ہے، ظاہر ہے قرآن مجید میں
اس پر کچھ کم زور نہیں دیا گیا ہے، مثلاً

(ا) یَآ اَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَطِیۡعُو اللّٰہَ وَاَطِیۡعُواالرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِمِنۡکُمۡ۔ (الآیۃ)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے افسر حکومت ہوں، اگر تم میں کسی معاملے میں آپس میں جھگڑا ہو تو اُسے اللہ اور رسول سے رجوع کر اگر تمہیں خدا اور یوم آخرت پر سچا ایمان ہو۔ یہی بہتر اور مآل کار اچھا طریقہ ہے۔

(قرآن مجید 4/59)

(ب) اِذَاجَآءَھُمۡ اَمۡرٌ مِنَ الۡاَمۡنِ اَوِالۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡبِہٖ۔ (الآیۃ)

''اگر امن یا خوف کی ان کو کوئی خبر ملتی ہے، تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ وہ اس کی اطلاع رسول کو اور اپنے افسروں کو دیتے تو سمجھ دار لوگ اُس کو سمجھ جاتے۔ (قرآن مجید 4/83)

یہ تو افسروں کی اطاعت کا ذکر تھا۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی شخصی اطاعت پر تو اس سے بھی زیادہ مواقع پر زور دیا گیا ہے، کہیں صرف حکم ہے تو کہیں اُس کے فوائد بتا کر ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور پیروی کے ان احکام کا یہ ناگزیر نتیجہ تھا کہ بعد کے زمانے میں آپ کے ہر قول اور ہر فعل کا تذکرہ محفوظ کرنے کی بڑی عظیم الشان کوششیں اہل علم کی جانب سے عمل میں لائی گئیں۔ ایسی بعض آیات حسب ذیل ہیں:۔

(ا) مَآاٰتَاکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَھَاکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا.....

''جو کچھ رسول تمہیں دے اُسے لے لو، اور جس سے منع کرے اُس سے رُک جاؤ''۔

(قران مجید 59/7)

(ب) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

"بیشک اللہ کے رسول میں تمہارے لئے ایک اُسوۂ حسنہ پایا جاتا ہے"۔

(قران مجید 33/21)

(ج) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.....اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

"اے ایمان والو! اللہ اوراس کے رسولؐ کی اطاعت کرو، اور جب وہ کچھ کہے تو سُن کر روگردانی نہ کرو...... اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں، تا کہ تم کمزور نہ پڑ جاؤ، اور تمھاری ہوا نہ اُکھڑ جائے، اس کے برخلاف صبر سے کام لو، اللہ صبر سے کام لینے والوں کے ساتھ ہوتا ہے"۔ (قران مجید 20-8/46)

(د) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى،

"وہ (یعنی رسولِ خدا ﷺ) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے"۔

(قران مجید 53/3)

آرنلڈ نے اپنی کتاب "خلافت" میں بالکل ٹھیک رائے ظاہر کی ہے،

کہ جب اس طرح رعیت کے فریضہء اطاعت پر زور دیا گیا، مگر اس کے ساتھ ہی حکمرانی کے لازمی فرائض کا اتنا ذکر نہیں ہوا تو اس سے اسلامی حکمران جابر اور استبداد پسند نہیں بن گیا، کیونکہ حشر ونشر اور حساب وکتاب کا عقیدہ نیز حکمران کا بھی قانونِ اسلامی کے ماتحت ہونا اس پر گرفت رکھنے کے لئے کافی ثابت ہوئے، اس کے یہ معنے نہیں کہ حکمران کے فرائض پر قرآن مجید نے زور نہ دیا ہو:۔

(ا) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ط

اُس کے لئے بلا اور (اے محمد) استقامت سے رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے، اور اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کر، بلکہ کہہ:۔ میں ایمان لاتا ہوں ہر اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔ اللہ تمہارا اور ہمارا آقا ہے۔ ہم کو ہمارے کام اور تم

کوتمہارے کام ہم میں اور تم میں کوئی حجت جھگڑا نہیں۔اللہ ہمیں یکجا کرے گا، اور ہمیں اس کی
طرف جانا ہے۔(قرآن مجید(42/15)

(ب) فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ط

''تب ہم یقیناً ان لوگوں سے دریافت کریں گے جن کے پاس ہمارا پیغمبر بھیجا گیا تھا، اور
پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔(قرآن مجید(7/6)

متعدد آیتوں میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ اجتماعی اور حکومتی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی
جائے، مثلاً

(ا) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَخُوْنُو اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ۔ (الاٰیۃ)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت نہ کرو، اور نہ جان بوجھ کر اپنی
باہمی امانتوں میں خیانت کرو۔''(49/13)

(ب)وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ۔(الاٰیۃ)

''اور یہ جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش ہے۔اور خدا ہی کے پاس اجر
عظیم پایا جاتا ہے۔(8/28)

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ ذاتی مفاد کے لئے یا بیوی بچوں کی خاطر بھی ہمیں
کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو نامناسب ہو، اور عالم آخرت کے حساب و کتاب کے لئے
ہمیں اپنے ہر فعل میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

ضمناً اس چیز کی طرف بھی اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ ''حُبِ ملی، اسلام میں ایک نیم مذہبی، نیم
سیاسی وحدت کے تصور پر مبنی ہے، جغرافیائی یا لسانی ولونی یا نسلی وحدت سے اُسے کوئی
سروکار نہیں، چنانچہ:۔

(ا)یَآ یُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا
وَ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ (الاٰیۃ)

(اے انسانو! ہم نے تم کو مرد اور عورتیں بنایا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ

پہچانے جا سکو، لیکن اصل میں سب سے زیادہ بزرگ خدا کے پاس وہی ہوتا ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ علم اور خبر خدا ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ (قرآن مجید 49/13)

(ب) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

"ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (قرآن مجید 49/1)

(ج) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ۔ (الآية)

"اللہ کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے، اور (ایمان لانے کے باعث) اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور اس کی عنایت سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم تو آگ کے گھڑے کے کنارے کھڑے تھے اور اسی نے تم کو بچایا۔ اس طرح اللہ اپنی آئتیں تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا سکو۔ اور تم سے ایک ایسی قوم پیدا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھی بات کا حکم دے، اور بُری بات سے روکے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ (قرآن مجید 3/102)

یہ بیان کرنے کی شاید ہی کچھ ضرورت ہو کہ ایمان اور عمل صالح کی فوقیت کے سوا اسلام حسب و نسب کی کسی برتری کو قطعاً تسلیم نہیں کرتا، انبیاء کی اولاد تک "عمل غیر صالح" کے باعث عذاب میں گرفتار ہوئی ہے۔

عدل گستری

یہ حکمران کا اولین فریضہ ہے کہ اُسے ناطرفدار ہونا چاہئے، اور انصاف کیساتھ حسب موقع و ضرورت رحم بھی کرنا چاہئے۔

(دیکھئے قرآن مجید: (16/90,4/135-58,5/8,16/40

غیر مسلم ذمی رعایا کو عدالتی خود مختاری دینے کا قرآن مجید میں حکم ہے، جہاں ان کے ساتھ ان کے شخصی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائیں گے، اگر غیر مسلم رعایا یا اسلامی عدالت میں اپنی مرضی سے مقدمہ یا مرافعہ پیش کرے تو اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جانا چاہئے۔ (دیکھئے قرآن

مجید(5/50-42)

اس بارے میں مزید تفصیل ایک علیحدہ مضمون کی متقاضی ہے البتہ اتنااور
کیا جاسکتا ہے کہ قیامت کی جزائے اعمال، حساب و کتاب چشم دید گواہ تحریری شہادت
کاتبین کی ڈائری وغیرہ کی جو تفصیل قرآن مجید میں آتی ہے وہ عہد نبوی ﷺ کے مروجہ
ہوں گے، جن کے ذریعے سے عالم آخرت کا خاکہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شورائیت

قرآن مجید میں حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لے کر کیا کرے، چنانچہ:۔

(ا) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الآیۃ

''اور ان سے معاملات میں مشورہ کر، پھر جب تو عزم کر لے تو خدا پر توکل کر بے
خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔ (قرآن مجید(3/159)

**(ب) فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَا ل
خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔**

''جو کچھ تمہیں دیا گیا وہ دنیوی زندگی کا ایک حق تمتع ہے، اور بس، ورنہ خدا کے پاس جو
ہے، وہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔ یہ ان لوگوں کو ملے گی جو اپنے ربّ پر ایمان لاتے اور ا
توکل کرتے ہیں، اور جن کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور جو اس چیز کو خ
(خیرات) کرتے ہیں جو ہم نے اُن کو عطا کی ہے۔ (قرآن مجید(36-42/38)

**(ج) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰ
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (الآیۃ)**

''(مشیروں وغیرہ کے لئے فیصلے کے بعد) اطاعت اور (فیصلے کیلئے) قول معروف ہ
چاہئے۔ اور پھر جب کسی کام کا عزم کرلیا جائے، تو اگر وہ لوگ خدا سے اپنے کئے ہوئے وعدے
پورا کریں تو انہیں کے لئے اچھا ہے۔ (قرآن مجید(47/21)

غرض اگر مشورہ لینے کی ایک طرف پابندی عائد کی گئی ہے، تو دوسری طرف مشورہ کے بعد

ی چیز قرار پا جائے اس کی تعمیل کرنا، بلا لحاظ اس کے کہ وہ اپنی رائے اور مشورے کے مطابق تھی
ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخری
مخالف، ذمہ داری چونکہ حکمران پر ہوتی ہے، اس لئے اس کو مشورے کے متعلق حق تنسیخ دیا گیا ہے، جیسا کہ
قرآن مجید 6/116 میں بیان کیا گیا ہے۔ (وَإِن تُطِعْ ۔ الآیۃ)

قانون سازی

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کے ہر قول و فعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے، اور ہر
صلاحیت انسان کو تفکر، تدبر، تعقل، تفقہ، تذکر اور استنباط پر مائل کیا ہے۔ اس حکم کے باعث
اسلامی فقہاء (قانون سازوں) کا کام آسان تر ہو گیا، کیونکہ ایک طرف تو جن چیزوں کا ذکر
قرآن مجید میں نہ تھا، ان کے لئے حدیث نبوی ﷺ میں کافی مواد مل گیا، اور دوسری طرف یہ بھی
دیکھا گیا کہ خود رسولِ کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا بلکہ اس کی صراحت
کے ساتھ اجازت بھی دی تھی، جیسا کہ معاذ بن جبلؓ کے گورنر یمن کے تقرر نامے وغیرہ میں مذکور
ہے۔ اگرچہ قرآن اور حدیث کی قیاس کے ذریعے سے تنسیخ نہیں ہوسکتی، لیکن قیاس اور تعبیر کی
اجازت سے علماء و فقہاء کو انفرادی رائے سے کام لینے کی خاصی گنجائش مل گئی، حتیٰ کہ
یہاں تک تسلیم کیا گیا کہ مجتہد سے غلطی ہونے کے امکان کے باوجود اس کو اس کام سے
نہیں روکا جاسکتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ''اجتہاد کرنے والا خطا بھی کر سکتا ہے،
صواب کو بھی پہنچ سکتا ہے، اور صحیح فیصلے کی صورت میں اُسے دو ثواب ملیں گے، اور خطا کی صورت
میں ایک ثواب''۔ اس طرح کا بھی موقع نکل آیا کہ ایک مجتہد کے بعد دوسرا مجتہد بھی اجتہاد کرے،
اور کسی بہتر نتیجے پر پہنچنے کے باعث سابقہ مجتہد کا فیصلہ منسوخ قرار پائے۔ اور خود اجماع کے متعلق
بھی فقہا نے ایسی ہی سہولت تسلیم کی ہے جب تک ان اجازتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اسلامی
قانون میں زمانے کا ساتھ دینے کی گنجائش رہی، اور وہ ترقی کرتا رہا، اور جب سے قدیم فقہا کے
فیصلوں کے خلاف اجتہاد کا دروازہ چند لوگوں نے بند کر دیا تو اس سے قانونِ اسلامی کو بیحد نقصان
پہنچا۔ لیکن یہ مسئلہ یہاں دائرہ بحث سے خارج ہے (جاری ہے)

ذکر الٰھی کی فضلیت

(ڈاکٹر لیاقت علی خان نیا

سورۂ الزمر کی آیت ۲۳ میں ذکر الٰہی کے بارے میں ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک
ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جوڑ
اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف یہ
ہدایت ہے، راہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض
''یارسول اللہ! اہل ایمان میں سے زیادہ عقل مند کون ہے؟ فرمایا: جو موت کو کثرت سے یاد کر
اور اس کے لئے اچھی طرح تیاری کرے،،

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: جب دل میں نور داخل ہو جاتا ہے تو دل کشادہ اور و
جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے نبیؐ اس کی علامت کیا ہے فرمایا: اس کی نشانی یہ
کہ وہ شخص ہر وقت دار آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ وہ اس دھوکہ والی دنیا سے کنارہ کشی ا
کرتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری شروع کر دیتا ہے۔

(بحوالہ: ضیاء القرآن، جلد چہارم، صفحات: ۲۴۸-۲۴۹

یعنی یہ دل موہ لینے والی باتیں جو ایک کتاب کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہیں
اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ جب عذاب الٰہی کا ذکر ہوتا
پرہیز گاروں پر خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ کانپنے لگتے ہیں اور جب اس کی ر
کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل اور چہرے خوشی سے چمک اُٹھتے ہیں اور اس کے ذکر میں شو
رغبت سے مشغول ہو جاتے ہیں۔

ذکر الٰہی انوار کی کنجی ہے، بصیرت کا آغاز ہے، جمال فطرت کا اقرار ہے۔ یہ حصول علم کا

ہے۔یہ تماشہ گاہِ ہستی کی جلوہ آرائیوں اور حسن آفرینیوں کا اقرار ہے۔ ذاکر کے ذکر میں اور زاہد کے فکر میں خالق حقیقی سے رابطے کی ایک شکل ہے۔

سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ میں ارشاد ربانی ہے:

"جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیے اور نماز قائم کریں، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، تم جو کچھ کررہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے ذکر کی فضلیت یوں بیان فرمائی:

"اللہ کی یاد میں دلوں کیلئے شفاء ہے"۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اپنی عبادتوں کو اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، الحمدللہ اور سبحان اللہ سے سجاؤ"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب بندہ کہتا ہے اے میرے رب اے میرے رب تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جی میرے بندے مانگ لے جو مانگے گا مل جائے گا"۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندے! میں وہاں ہوں جہاں تو مجھے خیال کرتا ہے اور جب تو مجھے یاد کرتا ہے تو میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں"۔

اللہ کے ذکر میں نماز تلاوتِ قرآن حکیم، دعاء اور استغفار سب شامل ہیں۔ بقول حافظ ابن القیم (بحوالہ مدارج السالکین) ذکر اللہ کی بڑی عظمت، اہمیت اور برکات ہیں۔ ذکر الٰہی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور انسان کی روحانی ترقی ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی سے قلوب منور ہوجاتے ہیں۔ ذکر الٰہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جس کے ذریعے ایک بندہ بارگاہ عالی تک پہنچ سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"جب بھی اور جہاں بھی بندگان خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے

ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے مقربین فرشتوں میں ان کا ذکر کرتے ہیں''۔ (صحیح مسلم)

بخاری شریف میں بحوالہ حضرت ابو ہریرہؓ درج ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں''۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمہارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے اور تمہارے درجوں کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور اللہ کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے اور اس میں جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارو اور وہ تمہیں زخمی کریں اور شہید کریں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ہاں ایسا قیمتی عمل ضرور بتایئے! آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر ہے'' (بحوالہ جامع ترمذی)۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام کاموں میں سے پسندیدہ کلام یہ ہے کہ بندہ کہے ''**سبحان اللہ و بحمدہ**''

حدیث پاک میں سبحان اللہ وبحمدہ کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی:

''جس شخص نے ہر دن سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں اور میں اس بندے کیساتھ ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں''۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب بندہ مومن میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ ایک گز میری طرف آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل کے آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں"۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"وضو کو مکمل کرنا ایمان کی علامت ہے' الحمدللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے' سبحان اللہ اور اللہ اکبر آسمان و زمین کو بھر دیتے ہیں' نماز نور ہے زکوٰۃ اللہ کی طرف سے برھان ہے اور صبر روشنی ہے قرآن کریم تیرے لئے حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے' ہر انسان صبح کو اپنے نفس کو بیچتا ہے کچھ اس کو آزاد کرا لیتے ہیں اور کچھ لوگ اس کو ہلاک کر دیتے ہیں"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاحول و لاقوۃ الا باللہ کے پڑھنے میں خوب کثرت کرو کیونکہ یہ مصیبت کے ننانوے دروازے بند کرتی ہے جس کا ادنیٰ درجہ غم ہے"۔

ذکر الٰہی کی فضلیت ایک اور حدیث پاک میں ملاحظہ ہو:

"رمضان میں اللہ کا ذکر کرنے والا بخشا ہوا ہے اور اس مہینے میں اللہ سے سوال کرنے والا محروم نہیں ہوگا"۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا پھر اس کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکل کر زمین پر گر گئے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عذاب نہیں دیں گے"۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا ننانوے (۹۹) بیماریوں کی دوا ہے اور سب سے معمولی بیماری غم ہے"۔

آپ ﷺ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"امام بخاری نے ابوموسیٰ سے روایت کی ہے اور وہ نبی پاک سے روایت کرتے ہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے رب کو یاد نہیں کرتا اُنکی
زندہ اور مُردہ کی مانند ہے"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں ان
چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ ایک دفعہ **سبحان اللہ والحمد**
ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر کہوں"۔

سوکھے پتوں والے درخت کی مثال:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزر
جس کے پتے سوکھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا عصا مبارک مارا تو اس کے سوکھے
جھڑ پڑے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کلمے **سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا**
الااللّٰہ واللّٰہُ اکبر بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے
درخت کے پتے جھڑتے دیکھے"۔ (جامع ترمذی)

صحرا صحرا عصیاں:

صحرا صحرا ہیں کہ عصیاں مرے
دریا دریا ہے مگر رحمت تری

اگر ریت کے ذرات کے برابر بھی گناہ ہوں تو ذکر الٰہی سے معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے روزانہ سو دفعہ **سبحان**
اللّٰہ و بحمدہٖ کہا اس کے قصور معاف کر دئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر
جھاگ کے برابر ہوں" (صحیح مسلم و بخاری)۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کلاموں میں
کون سا کلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے منتخب
فرمایا یعنی **سبحان اللہ وبحمدہٖ** (صحیح مسلم)۔

سب سے افضل ذکر:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے افضل ذکر **لا الٰہ الا اللہ** ہے"۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے **لا الٰہ الا اللہ** اس کے لئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے یہاں تک کہ وہ عرش الٰہی تک پہنچے گا۔ بشرطیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے"۔

ترمذی شریف میں ایک اور حدیث ہے:

"کلمہ **لا الٰہ الا اللہ** کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ یہ کلمہ سیدھا اللہ کے پاس پہنچتا ہے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی شہرآفاق کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ **لا الٰہ الا اللہ** کے تین خواص ہیں:

(۱) یہ کلمہ شرک جلی کو ختم کرتا ہے۔

(۲) یہ کلمہ شرک خفی کو بھی ختم کردیتا ہے

(۳) یہ کلمہ حصول معرفت اور قرب الٰہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

امام بغویؒ (شرح السنہ) میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے نبی موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کروں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰؑ! **لا الٰہ الا اللہ** کہا کرو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰؑ اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے زمین کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور **لا الٰہ الا اللہ** دوسرے پلڑے میں تو **لا الٰہ الا اللہ** کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ: دوام ذکر الٰہی:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ جو دائمی ہو اگر چہ تھوڑا ہو''۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل یہ ہے کہ موت اس حال میں آئے کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو''۔

بقول علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ ''اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے سوتے، جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و جان سے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے''۔ (سیرت النبی ﷺ جلد سوم صفحہ ۱۵۸)

آپ ﷺ سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا فرماتے۔ سواری کا جانور جدھر چل رہا ہے آپ ادھر ہی چہرہ مبارک کر کے نماز کی نیت فرما لیتے۔ اس کی پرواہ نہیں فرماتے تھے کہ قبلہ کی طرف مبارک ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ میدان جنگ میں بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں تھے۔ بدر کے میں خشوع و خضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہ ایزدی میں دعا کر رہے تھے۔ اس بے خودی عالم میں ردائے مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور حضور ﷺ کو خبر تک نہیں۔ حضرت علیؓ مرتبہ میدان جنگ میں حاضر ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ پیشانی مبارک زمین پر ہے

دور حاضر کی بے سکونی اور ذکر الٰہی:

دور حاضر میں بے سکونی کی کیفیت ذکر الٰہی سے بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ اہل مغرب کے خودکشیاں روحانیت سے فرار کی وجہ سے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں بھی بے سکونی یاد الٰہی غفلت کی وجہ سے ہے۔ نت نئی جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں یاد الٰہی سے غفلت کی وجہ ہیں بلاشبہ ذکر الٰہی دلوں کو سکون بخشتا ہے۔ (بشکریہ روزنامہ ''جنگ'' 1-4-05)

خدا تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کہیں کہ تمہارا فلاں عمل تمہیں جہنم کا ایندھن بنادے گا تو
دلیلیں مانگتا ہے اور مذبذب رہتا ہے کہ واقعی اس کام کا یہی نتیجہ نکلے گا؟

بس یہی وہ ذہنیت ہے جو آگے چل کر جاہلیت بن جاتی ہے اور جاہلیت سے متصل
ضلات کی ہے، ہمارے معاشرے میں جو قدم قدم پر دو عملی، دوغلا پن اور نفاق نظر آتا ہے وہ
اسی لئے ہے، ہم تنظیم بنائیں گے لسانی بنیادوں پر اور اسے نام دیں گے انسانیت کی
کا، ہماری جماعت کی اٹھان ہوگی خالصتاً فرقہ واریت پر اور ہم اسے وحدت امت کا ناگزیر
کہیں گے۔

ہمارا نعرہ علاقائی مفادات کا ہوگا مگر اسے ملک کے استحکام اور یکجہتی سے تعبیر کریں گے
سر عام آتشیں اسلحہ کی نمائش کریں گے، پٹڑیاں اکھیڑیں گے، بسیں اور گاڑیاں اغواء کریں
سڑکوں پر توڑ پھوڑ کریں گے، دوکانوں کو آگ لگائیں گے، اور خبر اور قرار دادیں اسے "پر
مظاہرہ" قرار دیں گی، غرض کون سا شعبہ ہے جہاں یہ شعبدہ نہیں ہو رہا۔

سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ اب اسلام بھی اس چیرہ دستی سے محفوظ دکھائی نہیں دیتا
محرم میں فلمیں بند ہو جاتی ہیں اور نگار خانے مقفل، ایکٹر کالے کرتے اور ایکٹرس سیاہ چادر
ڈال لے گی، پوچھو کہ ایسا کیوں؟ جواب ملے گا کہ ہم مسلمان نہیں؟ ہم امام حسینؓ کا سوگ
منائیں؟ اسلام کا مفہوم واضح ہوا نا! اگر کوئی ان سے پوچھ بیٹھے کہ نماز، روزہ، پردہ، وغیرہ
اسلام میں ہے تو پھر نہ ختم ہونے والی بحث چھڑ جائے گی کہ یہ ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے تم کو
خدائی فوجدار بننے والے، ہم جانیں اور ہمارا خدا جانے الغرض جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی

لگتا ہے ہماری نظر میں اسلام خدا کا دین نہیں جسے اپنانا ہر عاقل بالغ مسلمان کا فرض ہے
کسی دکان کا سودا ہے جو پسند آیا اور جتنا پسند آیا لے لیا باقی وہیں رکھ دیا کہ اس کا کوئی اور گاہک
آجائے گا، شروع دن سے یہی جھگڑا چلا آرہا ہے ایک سرکش اور ایک مومن میں۔

سرکش انسان کہتا ہے کہ جو میرے مفاد اور میرے مزاج کے مطابق ہوگا میں اتنا ہی اسلام

کے معاملات میں دخل کی اجازت دوں گا اور مومن کہتا ہے یہاں مفاد اور مزاج کا سوال نہیں یہاں اطاعت و انقیاد کا معاملہ ہے جو خدا اور رسول دیں وہ لے لو، اور لینا ہی پڑے گا ورنہ اسلام قبول کرنے کا کیا مقصد؟ اور تھوڑے مذاہب ہیں ان میں داخل ہو جاؤ، اسلام میں تو پورے کا پورا داخل ہونا ہے، کیوں کہ اسلام کا معنی تسلیم کرنا ہے اور تسلیم و رضا میں چون و چرا اور کجاو کرا جیسے الفاظ کوئی نہیں بولتا عہد جدید میں جہاں اور بے شمار ایجادات ہوئی ہیں وہاں اسلام کے ساتھ یہ انوکھا رویہ بھی ایجاد ہوا ہے، کہ روزہ نہیں رکھنا اور افطاریوں کا اہتمام کرنا ہے، عید قربان کی نماز نہیں پڑھنی اور قربانی کے لئے قیمتی بکرا خریدنا ہے کیوں کہ اس کا تعلق ''سوشل سٹیٹس'' سے ہے، گھر میں اور پوری صورت و سیرت میں اسلام کا گزر نہیں مگر عقیقہ بڑے اہتمام سے ہوتا ہے ظاہر ہے مالدار ہونے کا کچھ تو اشتہار دینا ہے، بری اور جہیز لاکھوں کا بنانا ہے دعوت ولیمہ پر ہزاروں روپے اڑانے ہیں، ڈوم، میراثی، گلوکار، بینڈ باجہ، اور رقص و سرور کا شادی میں پورا اہتمام کرنا ہے لیکن حق مہر بتیس روپے آٹھ آنے طے کرنا ہے کیوں؟ بھئی یہ مسنون ہے گویا اسی ایک سنت کی کسر رہ گئی تھی۔

ایک دعوت میں کچھ لوگ کھانا کھا رہے تھے ان میں ایک صاحب مالدار مگر دیندار تھے انہوں نے ساتھ والے درمیانے قسم کے مسلمان کو کہنی مار کر کہا کہ کھانا اکڑوں بیٹھ کر کھانا سنت ہے، دو تین بار اپنی ہولناک دینداری کا مظاہرہ اسی طرز پر کیا یعنی کہنی سے ٹھوکا دے کر اس شریف آدمی کو جگایا تو وہ بھلا مانس بالآخر تنگ آ کر بولا جناب من اکڑوں بیٹھنا تو سنت ہے مان لیا، مگر کہنی مار کر دوسرے کی پسلیاں توڑنا بھی سنت ہے؟ یہ اور اس طرح کے رویے اب ہمارا مزاج بنتے جا رہے ہیں۔

قیمتی گاڑی، اعلیٰ درجے کا بنگلہ، بہترین فرنیچر، عمدہ کراکری، مہنگے قالین، سب کچھ موجود مگر مٹی کے پیالے میں پانی اور چائے پینا ستم ظریفی اور اسلام کے ساتھ کڑا انداق نہیں تو اور کیا ہے؟ گذشتہ دنوں ایک نامور سیاستدان عورت کا ایک انٹرویو پڑھنے کا موقع ملا، ان سے دیگر

ماہنامہ ...

قومی اور بین الاقوامی معاملات پر سوال و جواب کے ساتھ معزز صحافی کا ایک انتہائی آفاقی نو
کا سوال یہ بھی تھا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ اپنے شوہر کا لاحقہ کیوں نہیں لگاتیں بلکہ
والد کا نام لکھتی ہیں تو محترمہ کا آفاقی سے بھی بڑا یعنی ملکوتی اور لاہوتی قسم کا جواب تھا کہ
کے ساتھ شوہروں کے نام کا لاحقہ، یہ مغرب کی بدعت ہے ورنہ اسلام میں بیٹی کے ساتھ
کا نام چلتا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے !اسلام کس آڑے وقت میں کام آیا؟ یعنی محترمہ جینز کی پینٹ استع
کرتی ہیں، بال کٹواتی ہیں، مخلوط کالجوں میں تعلیم پائی ہے، سر پر دوپٹہ گاہے گاہے نظر آتا ہے،
کا تو کیا مذکور! مگر نام کے لاحقے اور سابقے کا معاملہ آیا تو اسلام کے دائرے سے باہر قدم رکھنا
کے لئے دشوار ہو گیا یہ باتیں اور لطیفے پڑھ کر کم از کم راقم الحروف جیسے لوگ صرف اتنا عرض کر
ہیں کہ اے ارباب زر و جاگیر اور اصحاب اختیار و اقتدار! کون بدبخت آپ کو اسلام کے
کرنا چاہتا ہے یہ سوسائٹی کھلی چراگاہ ہے جہاں چاہیں منہ ماریں، غریب کی کیا مجال کہ امیر کو
ٹوک سکے اور محکوم کی کیا طاقت کہ حاکم پر اعتراض کر سکے البتہ آپ کا انتہائی کرم ہو گا کہ اپنی
جدت اور بدعت میں اسلام کو معاف رکھئے!